

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

ق

أُصُولُ الْإِسْلَامِ

شمس الفعیرین شیخ الحدیث بحر العلوم

محمد عبد الفتاح صدیق حسرت

سابق صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ

باہتمام محمد عباس علم پور دارالحدیثی

حسرت اکیڈمی پبلیکیشنز

صدیق گلشن بہادر پورہ حیدرآباد ۵۰۰۲۶۴

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

رَبِّ الدِّينِ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامِ

ق

اصول اسلام

مصنفه

بحر العلوم علامہ حضرت محمد عبدالقدير صدیقی قادری حسرت

(۱۲۸۸ھ - ۱۳۸۱ھ)

سابق صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ

باہتمام

محمد عباس علمبردار صدیقی

ناشرین
حسرت اکیڈمی پبلیکیشنز

صدیق گلشن - حیدرآباد

قیمت

باردوم (۱۰۰۰) ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام کتاب : اصول اسلام .
 نام مصنف : بحر العلوم حضرت محمد عبدالقدیر صدیقی حسرت
 سابق پروفیسر و صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

فن : اسلامیات

اشاعت : باردوم - ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ مطابق اکتوبر ۱۹۹۳ء

سائز کتاب : ڈیمائی $\frac{1}{8}$ صفحات (۸۰) - تعداد (۱۰۰۰)

کتابت : شاہ حسین فاروقی

اہتمام : محمد عباس علمبردار صدیقی

طباعت سردرق : فیس بلاک چھتہ بازار - حیدرآباد -

طباعت : اسپڈ پرنٹرس - سعیدآباد - حیدرآباد

ناشرین : حسرت اکیڈمی پبلکیشنز

ملنے کے پتے:

اسٹوڈنٹس بک ہاؤس - چارمینار حیدرآباد - ۲

بک زون - مہدی پٹنم - حیدرآباد - ۲۸ آنڈرپریش

جٹ سیٹ - چراغ علی لین - حیدرآباد

دفتر حسرت اکیڈمی - صدیق گلشن ۸۸۸-۱-۱۹ بہادر پورہ حیدرآباد

۵۰۰۲۶۴ آنڈرپریش

باراول (۵۰۰) ۲۴ رجب ۱۴۱۴ھ

چند سطور بحر العلوم کے بارے میں

شمس المفسرین شیخ المحدثین استاذ العلماء بحر العلوم حضرت محمد عبدالقادر صدیقی قاسمی رحمۃ اللہ علیہ حیدرآباد دکن کی ایک ایسی عالم شخصیت تھے، جن کو بجا طور پر بحر العلوم اور استاذ العلماء کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ کی ولادت بروز جمعہ ۲۷ رجب ۱۲۸۵ھ (۱۳ اکتوبر ۱۸۶۷ء) حیدرآباد دکن کے ایک مشہور علمی گھرانے میں ہوئی۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور منشی فاضل کے امتحانات بدرجہ امتیاز کامیاب فرمائے اور ابتداءً آپ کا تقرر دارالعلوم پر ہوا۔ جو اس زمانے میں حیدرآباد دکن کی بہت مشہور درسگاہ تھی۔ جب عثمانیہ یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا گیا تو آپ پروفیسر اور صدر شعبہ دینیات مقرر ہوئے۔ بذریعہ شاہی فرمان آپ کی ملازمت کی مدت میں دس سال تک مسلسل توسیع ہوتی رہی۔

آپ نے قرآن مجید کی مکمل تفسیر لکھی جو تفسیر صدیقی کے نام سے پاکستان سے شائع ہوئی۔ حیدرآباد دکن میں تفسیر کی طباعت کا کام چل رہا ہے اور انشاء اللہ جلد پایہ تکمیل کو پہنچے گا۔ ۱۹۳۷ء میں حیدرآباد اکیڈمی کی جانب سے آپ کا تحقیقی مقالہ ”مسئلہ عم نسخ قرآن“ طبع ہوا جس میں آپ نے ثابت فرمایا ہے کہ قرآن شریف کی کوئی آیت منسوخ نہیں آپ کی تالیف ”الذین“ بزبان عربی جامعہ عثمانیہ کے نصاب فقہ میں شامل تھی۔ آپ نے علامہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی تصنیف فصوص الحکم کا مکررہ الآرا محشی ترجمہ فرمایا جو جامعہ عثمانیہ کے دارالترجمہ سے شائع ہوا اور کافی شہرت رکھتا ہے۔ تصوف میں آپ کی کئی تصانیف ہیں جن میں حکمت اسلامیہ، المعارف، العرفان، التوحید (بزبان فارسی) اور مکاتیب عرفان شامل ہیں۔

آپ حسرت تخلص فرماتے تھے اور عربی، فارسی، اردو اور ہندی میں شعر کہتے تھے آپ کا مجموعہ کلام ”کلیات حسرت“ کے نام سے زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔

آپ نے ۷ ارشوال ۱۳۸۱ (۲۳ مارچ ۱۹۶۲ء) بروز شنبہ بوقت عصر اس دار فانی سے رحلت فرمائی

محمد عباس علمبردار صدیقی

صدیق گلشن حیدرآباد

ہہتم حسرت اکیڈمی و مکتب خانہ بحر العلوم

۴

اصول اسلام

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	سلسلہ نشان
۵	تمہید	۱
۲۲	توحید	۲
۲۸	رسالت	۳
۳۷	علم	۴
۴۲	محبت	۵
۴۵	حقوق و فرائض	۶
۵۱	اعتدال	۷
۵۲	احترام ذی حیات	۸
۵۶	تقیم دولت	۹
۶۰	قیام امن	۱۰
۶۹	مساوات	۱۱
۷۲	حرکت میں برکت	۱۲
۷۵	خشیت اللہ	۱۳
۷۷	دعا	۱۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمہید

اسلام امن عالم کا خواہاں ہے۔ اس لئے وہ بڑا صلح جو مذہب ہے۔ اس میں تمام بزرگوں کی عزت کی جاتی ہے۔ قرآن شریف میں ہے۔ **وَ اِنَّ مِنْ اُمَّةٍ اَلَا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ** (فاطر ۲۴) یعنی کوئی قوم نہیں گذری مگر یہ کہ اس میں ایک نہ ایک نذیر (پیغمبر) ضرور ہوا ہے۔ اور ایک جگہ ہے۔ **وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نُنْفِثَ رَسُوْلًا** (نبی اسرائیل - ۱۵) یعنی ہم کسی قوم کو (عذاب نہیں دیتے جب تک (اس میں) پیغمبر نہیں بھیجتے۔

اگر کسی کے متعلق ذریعہ علم یقینی ہوتا ہے تو ہم اس کی پیغمبری کا یقین کرتے ہیں۔ قرآن ہمارے پاس یقینی ذریعہ سے پہنچا ہے۔ پس جن جن پیغمبروں کا ذکر قرآن میں ہے ہم ان کو یقینی طور سے پیغمبر سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ہم اس وقت تک کسی فاسق شخص کے بیان کو قبول نہیں کرتے جب تک کہ اس کی تحقیق نہیں کر لیتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا (الحجرات ۶) یعنی کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی اچھی طرح تحقیق کرو۔

جن پیغمبروں کا ذکر قرآن شریف میں ہے، چونکہ انہوں نے ایک ہی پیغام کو پیش کیا ہے، لہذا ان کا ماننا، ان پر ایمان لانا ہر ایک ایماندار پر واجب ہے، اس کا فرض ہے۔ لہذا آدم علیہ السلام کو، نوح علیہ السلام کو، ابراہیم علیہ السلام کو، موسیٰ علیہ السلام کو، عیسیٰ علیہ السلام کو، اور دوسرے پیغمبروں کو جن کا ذکر قرآن میں موجود ہے، مانتے ہیں۔ ان کی پیغمبری کا یقین کرتے ہیں۔ پس ہر نوحی آدمی ہے۔ اور ہر ابراہیمی نوحی ہے۔ ہر موسوی ابراہیمی ہے

اور ہر عیسوی موسوی ہے۔ اسی طرح ہر محمدی آدمی بھی ہے۔ نوحی بھی، ابراہیمی بھی، موسوی بھی اور عیسوی بھی۔ قرآن شریف میں ہے لَا تُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رَّسُلِهِ (البقرہ ۲۸۵) یعنی ہم پیغمبروں میں، ان کی نفس پیغمبری میں فرق نہیں کرتے اور ایک جگہ ہے وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (البقرہ ۲۸۵) یعنی وہ کہتے ہیں کہ ہم (ان پیغمبروں کے احکام کو) سنتے ہیں اور ان کی اطاعت کرتے ہیں۔

صاحبو!

خوبصورت وہ ہے جو ناک، آنکھ، ذیل ڈول، رنگ روپ کا اچھا ہو۔ اسی طرح کوئی خوش سیرت نہیں ہو سکتا جب تک کہ سچا اور اچھا نہ ہو، رذائل سے پاک اور فضائل سے آراستہ نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ کوئی بھی نکلے یا کانے یا اندھے کو خوبصورت نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح کوئی بھی کسی جھوٹے یا بد معاش یا مکار کو خوش سیرت نہیں کہہ سکتا۔ پس اس سے معلوم ہو گیا کہ تمام پیغمبر اچھے اور سچے ہیں۔

یہ بھی یاد رکھو کہ ایک ماہہ الاشراک ہوتا ہے اور ایک ماہہ الایماز۔ بعض خوبصورتوں کی آنکھیں قیامت ہوتی ہیں۔ بعض کا رنگ سب کو دنگ کر دیتا ہے۔ اسی طرح تمام پیغمبروں میں پیغمبری ماہہ الاشراک ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ہر پیغمبر کا ایک ماہہ الایماز بھی ہے۔

آدم علیہ السلام اجمالی طور سے اسمائے الہی وحقائق اشیاء سے واقف ہیں۔ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا (البقرہ ۳۱) یعنی آدم کو تمام اسماء کی تعلیم دی۔ نوح علیہ السلام صحبت دین میں ممتاز ہیں رَبُّ لَا تَدْرُ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دِيَارًا (نوح ۶۷) یعنی اے میرے رب! ان منکرین میں سے کسی بسنے والے کو زمین پر نہ چھوڑ۔ ابراہیم علیہ السلام رضا و تسلیم میں امتیاز خاص رکھتے ہیں۔ ان کے حالات پر غور کرو۔ ہم تم کو آگ میں پھینک دیتے ہیں۔ جی درست! ایک زمانہ کے بعد بچہ پیدا ہوتا ہے۔ ابراہیم! اس بچہ کو ایک ایسے قردق میدان میں پھینک کر آڈجہاں آدمی ہونے آدم زاد، کھانا ہونے پانی۔ جی اچھا! بچہ بڑا ہوتا ہے حسن و جمال سے سرفراز ہوتا ہے۔ ابراہیم! مجھے دوست رکھتے ہو تو اس بچہ کو چھری لے کر

ذبح کرو۔ جی مناسب! موسیٰ علیہ السلام، عشق و محبت ان کے گلے کا پارہ ہے۔ رَبِّ
 اَرْتِنِي اَنْظُرُ الْيَتَامَى (الاعراف ۱۳۲) خدایا! اپنی باتیں تو سادیں، ذرا صورت
 بھی دکھا دے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ لَنْ تَرْمِي (الاعراف ۱۳۲) یعنی تم مجھ کو دیکھ
 نہ سکو گے وَلَكِنْ اَنْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنْ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي۔
 (الاعراف ۱۳۳) یعنی اچھا! پہاڑ کی طرف نظر کرو۔ اگر وہ برجا قائم رہے تو تم مجھ کو دیکھ
 سکو گے۔ ان کی انانیت کے پہاڑ پر ان کا محبوب تجلی کرتا ہے اور اسے پارہ پارہ کر دیتا ہے
 موسیٰ حنج مارتے ہیں اور گر کر بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ
 جَعَلَهُ دَكًا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا (الاعراف ۱۳۳) یعنی اللہ نے جو
 موسیٰ کا رہے، ان کی انانیت کے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو ان کی خودی کا پہاڑ پارہ پارہ
 ہو گیا اور وہ حنج مار کر گرے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ذات خداوندی میں گم اور ماسوا اللہ سے اس قدر بے خبر
 ہیں کہ بعض لوگوں نے انہیں خدا کا بیٹا کہہ دیا۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تمام صفاتِ کمالیہ کے جامع ہیں۔
 نماز کا وقت آتا ہے تو فرماتے ہیں۔ اِرْحَمْنِي يَا بِلَالُ!۔ اے بلال اذان دو کہ میں نماز
 پڑھوں اور مجھے راحت دل حاصل ہو، وَقُوَّةٌ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ اور میری آنکھوں
 کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ کیونکہ اس میں دیدار الہی ہے۔ صاحبزادے ابراہیم کا انتقال
 ہوتا ہے۔ منہ سے بقراری کا ایک لفظ نہیں نکلتا مگر آنکھوں کو ان کا حق دیتے ہیں۔
 آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں تو صحابہ عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ آپ اور رونا ہوا فرماتے
 ہیں، یہ رحمت ہے۔ یعنی یہاں محبت کو اس کا حق دیا جا رہا ہے۔ ایک ایسا بھی وقت
 ہوتا ہے کہ اس گھڑی اس آن خدا کے سوائے کچھ نہیں رہتا۔ لِي مَعَ اللَّهِ وَقْتُ لَا يُعْنِي فِيهِ
 مَلَكٌ مُّقْرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ (حدیث) یعنی میرا خدا کے ساتھ ایسا وقت بھی آتا ہے
 کہ جہاں کسی مقرب فرشتہ کی گنجائش ہے اور نہ کسی پیغمبر کی رسائی۔ یہی قدسی ہستی بیوی سے

فرماتی ہے کَلْمَتِي يَا حَمِيْرًا یعنی اور روشن جبین، سرخ روبا ذرا مجھ سے باتیں کرو۔
اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ محدودوں کو ولوالہ العزم پیغمبروں سے کیا روابط و تعلقات

ہیں؟

دیکھو! انسان کے جسم میں اعضائے رئیسہ، دل، جگر، معدہ، شش، دماغ، ام اللدغ
ہیں۔ ان سب کو عالم علوی سے ربط ہے، جو لوگ ذاکر و شاغل ہوتے ہیں ان کو معلوم ہے
کہ ایک ایک عضو رئیسہ ایک ایک اولوالعزم پیغمبر کے تحت ہے۔ اور ایک پیغمبر کی ایک مخصوص
صفت ہے۔ ذاکر و شاغل اپنی توجہ اس پیغمبر کی طرف کرتا ہے اور خدائے تعالیٰ سے پیغمبر کو اور
اور پیغمبر سے اس شخص کو ایک نور ملتے۔ ان شاغلین کے پاس ہر نور کا ایک خاص رنگ ہوتا ہے،
اس حصہ کو جس سے نور حاصل ہوتا ہے لطیفہ اور ایسے سب حصوں کو لطائف کہتے ہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا رنگ سفید ہے۔

دوستو! تم سفید رنگ کو بے رنگ سمجھتے ہو حالانکہ وہ ہفت رنگ کا جامع ہے۔ اسی

طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں کے انوار پر حاوی ہیں۔

صاحبو! شاغل اللہ اور پیغمبروں سے لیتا ہے اور قوت ارادی سے نور اور قوت کو جذب
کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو لیکا اور مر مایہ جمع کر گیا وہ دوسروں کو دے بھی سکے گا۔ لینے کو یافت
اور دینے کے عمل کو توجہ اور محبت کہتے ہیں۔ بزرگوں کی ہمت سے ان کے شاگرد متاثر ہوتے
ہیں۔

صاحبو! ان ہیناثر دم والوں اور اسپر کھول لوگوں کی دور، ان کے اعمال اور ان کے کرتب

سب ان کے نفس سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے کام کو شاگردان پیغمبران کے کام سے

کیا نسبت؟ چہ نسبت خاک را با عالم پاک سے

دیکھا بھی تو کیا دیکھا اس کی کتنی وقعت ہے

کھیل تماشہ لا حاصل منشا اصل حقیقت ہے (حسرت صدیقی)

صاحبو! ہم کہتے ہیں کہ تمام پیغمبروں کا مذہب ایک ہے۔ دیکھو قطب کی لاٹ، تاج محل

چار مینار کو دیکھ کر جو بھی بیان کرتا ہے ایک ہی بات بیان کرتا ہے۔ یہ کیوں؟ اس وجہ سے کہ سینکڑوں برس سے یہ عمارتیں گھڑی ہیں۔ ان میں کچھ تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ خدائے تعالیٰ کی شان اَلَّذِیْ کَمَا کَانَ ہے یعنی جو پہلے تھا سو اب بھی ہے۔ تغیر کو اس کی ساحتِ عزت تک رسائی نہیں۔ سلب و زوال کو اس کے مقررِ عظمت تک گنجائش نہیں یہی وجہ ہے کہ پیغمبر جو قرب الہی سے سرفراز ہیں خدائے تعالیٰ کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں وہ ایک ہی ہوتا ہے۔ یہ تلامیذ الرحمن میں۔ رحمان کے متعلق کچھ اختلاف نہیں رکھتے۔ عقیدہ تمام پیغمبروں کا ایک ہی ہے۔ ہاں زمانہ کی ترقی اور مختلف ضرورتیں پیدا ہونے کی وجہ سے احکام میں اختلاف ہوتا ہے۔ پھر بعض احکام تو ایسے بھی ہیں کہ ان میں تغیر نہیں ہوتا اور جو علوم متعارفہ کی طرح سب کے پاس مسلم ہیں۔ جیسے طہارت ضروری ہے، عبادت ضروری ہے، زنا اور قتل حرام ہیں۔ چوری حرام ہے۔ ڈاکہ حرام ہے۔ جھوٹ بدترین گناہ ہے۔ ہر پیغمبر کی تعلیمات خدائی عبادت پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ہر ایک اُسی کی عبادت پر زور دیتا ہے۔ البتہ طرق عبادت میں کچھ فرق ضرور ہے۔ انصاف شرط ہے۔

اسلامی عبادات میں ایک نماز ہی کو دیکھو کہ اس میں کتنے حکم اور فوائد ہیں۔ صاحبو! نماز باجماعت سے تنظیم اور امیر کی اطاعت کی دن میں پانچ مرتبہ عبادت اور مشق کرائی جاتی ہے اور حرنی تعلیم کی بھی تمرین اور ڈرل کرائی جاتی ہے۔ یہ اذان کیسا ہے؟ گنگل بج رہا ہے۔ جو فوج گنگل کی آواز پر جمع نہ ہو، اور نافرمان ہو جائے وہ ناکارہ ہے۔ ایسی خود مرفوج دشمن کے مقابلہ میں ہرگز کام نہیں دے سکتی۔ وہ اس قابل ہے کہ اس کو گولی مار دیں۔

ورزش کی غرض یہ ہوتی ہے کہ تمام اعصاب اور عضلات چو طرف حرکت کریں اور سیلانِ خون تمام جسم میں ہو جائے۔ نماز پر غور کرو کہ کس طرح تمام اعضاء بدن کو قیام، رکوع، سجد اور قعود میں ہر طرف حرکت ہوتی ہے۔ دیکھو نماز میں بجز سیدھے پاؤں کے انگوٹھے کے کوئی عضو ایک ہیئت پر برقرار نہیں رہتا۔ اسی لئے لوگ اسے نماز کی کھوٹی

کہتے ہیں۔ نماز ایسی ہلکی ورزش ہے کہ مرد، عورت، بچے، بڑھے سب کر سکتے ہیں۔ نماز آرام طلب، اہل نوابوں کے حق میں ورزش ہے۔ مگر مسافر، بندوق بردار، باربروز سنگتراش لوہار وغیرہ سخت محنت کرنے والوں کے لئے آرام یعنی وقفہ اور دم لینا ہے۔ بخیر مشرمتی ہے کہ نماز جیسے عمل کو جو عبد ورب میں مناجات ہے۔ راز و نیاز ہے، الہی دربار ہے ان مادہ پرست مسلمانوں کی خاطر ڈرل اور ورزش جسمانی ثابت کرنے کی ضرورت پڑی کیونکہ یہ لوگ بغیر دنیاوی فائدہ دکھلائے کوئی دین کا کام نہیں چاہتے۔ اس کی گونہ تفصیل کی جاتی ہے۔ چنانچہ نماز میں اقامت سے حسب ذیل امور حاصل ہوتے ہیں۔

فالان - اجتماع - درس - صف بندی - انٹیشن - سیدھا کھڑا ہو جانا۔ رکوع و سجود سے ایک طرح کی نینگ پوزیشن، قعود سے سنگ پوزیشن، سلام سے انٹرنلٹ انٹرنلٹ۔ اور فال اوٹ یا ڈس مس یعنی منتشر ہو جانا۔ ہر حکم پر کمانڈر کے ساتھ ہی سب کا مل کر ایک ہی کام کرنا۔

اچھا! نماز باجماعت سے تنظیم کی کس طرح ترین دمشق کرائی جاتی ہے؟ آذان سن کر لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں تو چاہئے کہ جو سب سے زیادہ عالم ہو، اسی کو امام اور لیڈر منتخب کریں، مال و دولت کی عزت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ امام بننے کے بعد اطاعتِ امام سب پر واجب ہے جو مقتدی اطاعتِ امام نہیں کرتا، اس کا سر برد قیامت گدھے کا ہو گا جو نہایت ہی بے وقوف جانور ہے۔ صف بندی میں امیر و غریب سب برابر ہیں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و یاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

اس میں مساوات کا بہترین سبق دیا گیا ہے۔ بعد آنا اور کندھوں پر سے لوگوں کو پیراتے ہوئے آگے جانا نہایت ممنوع ہے۔ امام یا امیر کی سر امر میں پیروی ضروری ہے۔ ورنہ تنظیم کی غرض ہی مفقود ہو جائے گی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں امام کی

مخالفت نہ کرنی چاہئے۔ اگر امام رک جائے یا قراءت میں غلطی کرے تو اس کو لقمہ دینا بتلا دینا ضروری ہے۔ اگر دوسری رکعت کے بعد قعود نہ کرے تو سبحان اللہ کہیں، یعنی اللہ غلطی سے پاک ہے۔ آدمی سے بھول چوک ہوتی ہی ہے۔ امام کا وضو ٹوٹ جائے تو دوسرا امام قائم مقام ہو جاتا ہے اور کام برابر جاری رہتا ہے۔ اگر امام کوئی ایسا کام کرے یا قراءت میں ایسی غلطی کرے جو اصول دین کے خلاف ہو، مثلاً اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی جگہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ پڑھے یعنی بجائے اس کے کہ تو نے انعام کیا کہے، میں نے انعام کیا کہہ دے تو فوراً نماز توڑ ڈالیں اور لا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ یعنی کسی مخلوق کی اطاعت ایسی بات میں نہ کرنی چاہئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی معصیت ہو، پر عمل کریں۔

دیکھو! کیسی اخلاقی جرأت کی تعلیم ہے؟ بیٹھ پیچھے غیبت کی اجازت نہیں۔ جو کچھ کہنا ہے سامنے کہہ دو۔ غلطی کی اصلاح کراؤ۔ بہر حال دن میں پانچ دفعہ تنظیم اور اطاعت حاکم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ نادان مسلمان دین کی تعلیم بھلا بیٹھے اور تتر بتر ہو گئے۔ اب ہر طرف سے تنظیم تنظیم کی چیخ پکار ہو رہی ہے۔ کمیٹیاں اور انجمنیں بنائی جا رہی ہیں مگر کن کے اصولوں پر؟ اہل یورپ کے سہ

ترسم نہ رسی یہ کعبہ اے اعرابی

کیں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان ات

(اے اعرابی مجھے اندیشہ ہے کہ تو کعبہ کو نہ پہنچ سکے گا کیونکہ جس راستہ پر تو جا رہا

ہے وہ تو ترکستان کو جاتا ہے۔)

صاحبو! ہمارے پاس ہر چیز خدا کی یاد میں سرگرم ہے۔ البتہ ان کی تسبیح سے واقف نہیں وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَوَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ (یعنی اسرائیل ۲۲) یعنی کوئی شے ایسی نہیں ہے جو خدا کی حمد و تسبیح نہ کرتی ہو مگر تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے اور ہماری نماز کیا ہے؟ تمام مخلوقات کی عبادت پر مشتمل ہے

درخت سیدھا کھڑا ہے اور یادِ خدا میں مشغول ہے۔ اسی طرح مصلیٰ بھی قیام کی حالت میں عبادت کرتا ہے۔ جانور سر جھکائے ہوئے ہیں۔ نمازی بھی رکوع میں سر جھکا کر یادِ الہی میں مصروف ہے۔ پہاڑ اپنی جگہ خاموش بیٹھا ہوا ہے التَّحِيَّاتِ پڑھتے وقت مصلیٰ پہاڑ کا کام کر رہا ہے۔ بیلین زمین پر ٹری ہوئی ہیں تو مصلیٰ بھی سجدے کے وقت زمین پر سر رکھ کر عبادت کرتا ہے۔ غرض نماز جمادات۔ نباتات اور حیوانات کی عبادت پر مشتمل ہے صاحبو! نماز میں کوئی عبادت ہے کہ نہیں؟ نماز میں کوئی کھانی نہیں سکتا۔ یہ روزہ کا ایک حصہ یا رنگ ہے۔ بات نہیں کر سکتا یہ ایک قسم کا صومِ مریم ہے۔ تکبیر اس میں ہے بلکہ ہر فعل کے ساتھ تکبیر لگی ہوئی ہے جو خدا کی بزرگی کو ظاہر کرتی ہے۔ قرأتِ قرآن اس میں ہے تسبیح اس میں ہے۔ یعنی سبحان ربی العظیم۔ سبحان ربی الاعلیٰ التَّحِيَّاتِ کا کیا پوچھنا؟ معراج شریف کا نمونہ ہے اس کو عملی طور پر دکھانا ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم دربارِ الہی میں عرض کرتے ہیں التَّحِيَّاتِ لِلَّهِ وَالصَّلَاةِ وَالطَّيِّبَاتِ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ۔ چونکہ اس فرمودہ الہی میں امتِ محمدی کا ذکر نہیں ہے اس لئے ان کے خیال سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم عرض کرتے ہیں۔ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ۔

صاحبو! یہاں تو صالحین کا ذکر ہے۔ ہم گنہگاروں کا ذکر کہاں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے "علینا" (بہ صیغہ جمع) فرما کر ہم گنہگاروں کو اپنے ساتھ لے لیا۔

صاحبو! نماز میں درود بھی ہے۔ اس میں اپنے لئے اور لوگوں کے لئے دعا بھی ہے۔ اور آفر میں اپنے دونوں جانب کے ہم جماعت لوگوں کے لئے دعائے سلامتی بھی ہے۔ قرآن میں ہے يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَوْلِيَاءَ مِنَ

ذَوَاتِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَعُولُوا أَشْهَدُ وَابَانًا مُّسْلِمُونَ (ال عمران - ۶۴) یعنی اسے
 اہل کتاب! اڈا ایک سیدھی سادی بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے کہ ہم اللہ
 کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں۔ کسی کی پوجا نہ کریں۔ جسے اللہ کا شریک نہ بنائیں
 اور تمہارے میں کے بعض، بعض کو خدا کو چھوڑ کر اپنا پروردگار نہ بنائیں۔ پس اگر وہ نہ بنیں
 اور روگردانی کریں تو تم کھدو۔ لوگو! تم گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان ہیں۔

اب میں آپ کے سامنے مذہب سے علاقہ رکھنے والے حضرات کا ذکر کرتا ہوں
 اس میں موسوی، عیسائی اور مسلمان سب شریک ہیں۔ غرض کہ مذہب کے نام لیوا تین
 قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) مذہبی شخص۔ جو خدا کو صاحبِ امر اور صاحبِ حکم سمجھتا ہے اور خدا ہی کو قوانین
 مذہب کا مقنن سمجھتا ہے۔

مجلس مقننہ کا فرض ہے کہ اغراض و مقاصد تمدن کو دیکھ کر قوانین منظور کرے
 اور حکام عدالت کا کام ہے کہ جو قوانین منظور کئے گئے ہیں ان کی پابندی کرائیں۔ قانون
 کے الفاظ سے تجاوز نہ کریں۔ ایک زمانہ میں سزائے تعزیری میں قاتل کے لئے صرف اتنا
 حکم تھا کہ مجرم کو پھانسی پر لٹکایا جائے گا۔ ایک مجرم کو پھانسی پر لٹکایا گیا۔ وہاں مجرم کا ہوشیار
 وکیل موجود تھا۔ اس نے فوراً چاقو سے پھانسی کی رسی کاٹ دی۔ اس کے بعد قانون کے
 الفاظ کی اصلاح کی گئی اور لکھا گیا کہ قاتل کو اس وقت تک پھانسی پر لٹکایا جائے گا کہ اس
 کی جان نکل جائے۔ حاکم عدالت کو حق نہیں کہ اغراض و مقاصد کا لفظ کہہ کر قانون کو رد
 کر دے اور اس کا خلاف کرے۔ اسی طرح کوئی مذہبی آدمی احکام مذہب کی خلاف
 نہیں کرتا اور نہ اپنے خیالی اغراض و مقاصد کا نام لے کر احکام سے روگردانی کرنے کی جرأت
 کرتا ہے۔

(۲) قومی شخص۔ یہ ہر چیز میں سے اپنے خیال کے مطابق اغراض و مقاصد پیدا کرتا ہے
 اس کو اس کی پرواہ ہی نہیں ہوتی کہ کسی مذہبی حکم کی خلاف ورزی ہو جائے۔ اس سے کہا

جاتا ہے کہ نماز فرض ہے تو وہ جواب دیتا ہے کہ نماز سے مقصد خدائے تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا ہے۔ ہم ہمہ تن خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ ہیں، تو اس ڈھانچہ کی کیا ضرورت ہے اور اس کی صورت سے کیا غرض؟ ڈھانچہ مذہبی حضرات کو مبارک! اس سے بیان کیا جاتا ہے کہ روزہ فرض ہے اور تم روزہ نہیں رکھتے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ روزہ کا مقصد غریبوں کی بھوک کا احساس کرنا ہے۔ ہم اس کا احساس کرتے ہیں اور غریبوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ بس روزہ کا مقصد حاصل ہے۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ زنا حرام ہے۔ سخت زنا گناہ ہے۔ قومی شخص کہتا ہے کہ حرمتِ زنا سے مقصد لڑائی جھگڑا پیدا نہ ہونا ہے۔ اگر شوہر مصالحت کرے تو لڑائی جھگڑا ہرگز پیدا نہ ہوگا۔ اس واسطے عورتوں کا دوسروں سے تعلق پیدا کرنا حرام نہیں۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ حفظِ نسب فرض ہے۔ قومی شخص جواب دیتا ہے کہ اس سے مراد اولاد کی پرورش و تربیت ہے۔ ایک شخص اپنی بیوی کو چھوڑ کر جنگ پر جاتا ہے۔ اور اس میں یک طویل زمانہ گزر جاتا ہے اور عورت کو بچے پیدا ہوتے ہیں۔ قومی لوگ قانون پاس کرتے ہیں کہ ان ناخواندہ بہانوں کی پرورش کرنا اس کے خاندان پر واجب ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ یہ لوگ **إِن لِّكَرِ الْإِذِیَّةِ** (الانعام - ۵۷) یعنی "حکم دینا صرف خدا کا کام ہے" یقین نہیں رکھتے۔ خدا کو حاکم علی الاطلاق اور حکم الٰہی نہیں سمجھتے۔ وہ خود کو متن بھی سمجھتے ہیں، حاکم بھی سمجھتے ہیں۔ آج کل اس قسم کا طاعون ساری دنیا میں پھیل گیا ہے۔ مذہب کا نام ہے۔ کام نہیں۔ مگر یہ لوگ اپنے ہم مذہبوں کو چنڈہ دیتے ہیں۔ مدرسے بناتے ہیں۔ غیر مذہب والوں سے لڑائی جھگڑا ہوتا ہے تو اپنے ہم مذہب والوں کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ مذہب کی حمایت میں جان تک دینے تیار ہو جاتے ہیں۔

(۳) بین الاقوامی شخص - مختلف مذاہب سے اس کو جو مناسب معلوم ہوتا ہے لے لیتا ہے۔ اس کا مقولہ ہے - خذ ما صفا ودع ما کدر سماع متاع نیک ہر دکان کہ باشد - (اچھا مال چاہے جس دکان میں مل جائے لے لو)

وہ سرکاری قانون سے ڈرتا ہے اور قانونی سزاؤں سے بچتا ہے مگر قانونِ الہی کی اس کو پروا نہیں نہ وہ سزائے الہی سے ڈرتا ہے۔ وہ مسجدیں بناتا ہے اور اس کے آباد کرنے میں سعی ہوتا ہے۔ مگر جب تواریث کا مسئلہ آتا ہے تو سرکار میں لکھوادیتا ہے کہ وہ ہندو لاکا تابع ہے۔ غرض بین الاقوامی مذہب کی طرف نسبت رکھنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ دنیا کے معاملات میں مذہب کا کیا دخل؟ تمدن کیلئے ہمارے خیال میں جیسی جیسی ضرورت ہوگی ہم قوانین بنا لیں گے۔ مذہب جدا چیز ہے اور تمدن جدا۔

صاحبو! قومی مذہب اور بین الاقوامی مذہب والوں کی زبان پر جب دکھو! قوم! قوم! لیکن آخر یہ قوم ہے کیا؟ اور کیا فرق ہے قوم اور فرقہ میں؟ آپ سب جانتے ہیں کہ انسان مدنی الطبع ہے۔ اکیلا انسان اپنی ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتا۔ کھلنے پھرنے اور مکان کا محتاج ہے۔ اور ان کے حاصل کرنے کے لئے زراعت و صنعت و تجارت، نجاری، حدادی، خیاطی، نساجی (جولاہے کا کام) وغیرہ اور بہت سے امور سے واقف ہونے کی ضرورت ہے اور عملاً اس میں مہارت پیدا کرنے کی حاجت ہے۔ درندوں خصوصاً انسانی درندوں سے بھی حفاظت کی ضرورت ہے۔ لیکن ایک آدمی یہ سب کام تنہا نہیں کر سکتا۔ مجبوراً اس کو اپنے بنی نوع کی طرف احتیاج ہوتی ہے اور ان کے تعاون پر اس کی زندگی کا قیام ہے۔ جو لوگ باہمی تعاون اور معاہدات سے ایک دوسرے کی حفاظت اور اعانت کرتے ہیں، وہ سب ایک ”قوم“ سمجھے جاتے ہیں۔ جن لوگوں میں اس قسم کا اتحاد نہیں اور ان کا مرکز تعاون الگ ہے۔ وہ دوسری قوم خیال کئے جائیں گے۔ اسلام نے چونکہ فریقِ اسلامیہ کو باہمی تعاون کی تاکید سے ایک کر دیا ہے، اس لئے تمام مسلمانوں کی ایک ہی قوم ہے۔

یہ رشتہ خدائی ہے کیا خوب رشتہ

مسلمان آپس میں ہیں بھائی بھائی

(حضرت صدیقی)

غرض عرب ہوں یا عجم، ہندوستانی ہوں یا افغانی، ایرانی ہوں یا تورانی سب ایک ہی قوم ہیں۔

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

اسلام میں قومیت کی بنا رنگ پر ہے نہ زمین پر، خاندان پر ہے نہ زبان پر۔ ہم کو حکم ہے:
تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ-۲)
یعنی تم ایک دوسرے کی نیکی کاری اور تقویٰ میں مدد کرو اور گناہ و تعدی میں ایک دوسرے
کی مدد نہ کرو۔ اور ایک جگہ فرماتا ہے۔ اِمَّا الْمُؤْمِنُونَ اِحْوَةٌ فَاَصْلِحُوا بَيْنَ
اِحْوَتِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الحجرات-۱۰) یعنی مسلمان آپس میں
بھائی بھائی ہیں۔ اگر ان میں لڑائی ہو جائے تو تم صلح کرو اور خدا سے ڈرو تاکہ خدا تم پر
رحم کرے۔

صاحبو! فرقہ قوم کے چند افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔ سب فرقے قوم ہی کے حصے
ہیں جو باہم ایک دوسرے سے فرق و امتیاز رکھتے ہیں۔ مگر آج کل مسلمان کی کیا حالت
ہے؟ یہ فرقہ تفرق پر مشتمل ہے۔ ایک دوسرے سے امتیاز حاصل کیا تو اس قدر کہ
باہمی تعاون بھی باقی نہ رہا اور متحدہ قومیت بھی باقی نہ رہی۔ نہ حج ہے نہ زکوٰۃ، نہ
روزہ ہے نہ نماز۔ اور اگر نماز ہے تو وہ بھی جدا جدا۔ حکم ہے وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ
جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (ال عمران-۱۰۲) یعنی اللہ کی رسی (اسلام) کو خوب مضبوطی
سے پکڑو اور آپس میں تفرق نہ ہونے دو۔ مگر نہ وَاعْتَصِمُوا پر عمل ہے اور نہ وَلَا
تَفَرَّقُوا کی اتباع، پھر ہم کس منہ سے کہیں کہ تمام مسلمان ایک قوم ہیں؟

صاحبو! بعض چیزیں مابہ الاشتراک ہوتی ہیں اور بعض مابہ الامتیاز۔ مشترک چیزوں
میں شریک ہونے کے لئے کون مانع ہے؟ سب مذہب والے اگر اللہ کا نام مل کر لیں تو کون
روکنے والا ہے؟ ایک چراغ کی روشنی کم ہوتی ہے۔ اگر دس، بیس، پچاس تو پچاس چراغ

لگ جائیں تو پھر اٹال ہو جائیں۔ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے جلسہ میں شریک ہوا اور جب ان کے پیدامونے کا ذکر آیا تو جہاں دوسرے عیسائی کھڑے ہو گئے میں بھی کھڑا ہو گیا۔

صاحبو! میں، مولوی الیاس برنی صاحب، مولوی سید لطف احمد صاحب اور کرنل حبیب علی صاحب سب مل کر بغرض حج و زیارت ہماری ایک چھوٹی سی ”اخوان الصفا“ کی جماعت نکلی تھی۔ ہم بغداد شریف، کربلائے معلیٰ، نجف اشرف، دمشق، فلسطین گئے۔ جب قدس میں پہنچے تو وہاں دو میلے تھے۔ ایک میلہ تو وہاں تھا جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مجروح ہونے کے بعد زمین پر لٹائے گئے تھے۔ زمین سے ایک آگ کا شعلہ نکلا۔ تمام عیسائی جمع تھے۔ ان کے ہاتھوں میں موم بتیاں تھیں۔ اس شعلہ سے لوگوں نے اپنی موم بتیاں سلگالیں۔ پھر ان بتیوں سے دوسروں نے اپنی اپنی بتیاں روشن کر لیں۔ اس جلسہ میں ہم بھی شریک تھے۔ کیا ہم کسی غیر آدمی کے واسطے جمع ہوئے تھے؟ نہیں! ہم تو اپنے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے جمع ہوئے تھے۔

دوسرا میلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عرس کا تھا۔ یہ میلہ آٹھ دس دن تک رہتا ہے۔ اور اس میں ہزاروں عورتیں، مرد، بوڑھے بچے سب شریک ہوتے ہیں۔ یہ میلہ بیت المقدس سے کچھ فاصلہ پر ہوتا ہے۔ اس میں تو ہم شریک نہ ہو سکے۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مزار مبارک کے پاس سے ایک جلوس نکلتا ہے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر شریف پہنچتا ہے ہم اس میں شریک تھے۔ عصر کے قریب ہم نے دریائی سفر کیا۔ اور یمنوع و مدینہ و مکہ معظمہ پہنچ کر حج و زیارت کا شرف حاصل کیا۔ ہم اس طویل سفر میں یہودیوں اور نصاریوں سے ملے۔ میں ان کو یا اخی! یا اخی! سے مخاطب کرتا تھا اور وہ مجھے یا عجمی! یا عجمی کہتے تھے۔ نہ لرائی نہ جھگڑا۔ امن و امان سے ہمارا سفر انجام کو پہنچا۔ قرآن میں ہے لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرِّسَالَةُ مِنَ الْغَيْبِ (البقرہ - ۲۵۶) فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِرْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ (الکہف - ۲۹) یعنی اسلام میں کچھ زبردستی

تو ہے نہیں۔ حق ناحق واضح ہے۔ ایک دوسرے سے متنازع ہے۔ اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے ایمان نہ لائے، انکار کرے۔ ”ایمان“ یقین کا نام ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یقین فعل ہے۔ میں یقین کو انفعال سمجھتا ہوں۔ یعنی ایمان آجاتا ہے، یقین ہو جاتا ہے۔ ایمان کا آنا کوئی اختیاری فعل نہیں بلکہ غور و فکر کرنے سے نفس متاثر ہو جاتا ہے اور ایمان آجاتا ہے۔ یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ اس میں زبردستی کو کیا دخل ہے؟ ان مشترک امور میں اگر مختلف مذاہب والے شریک ہوں تو کیا گناہ ہے؟ اللہ ہمارا، پیغمبر ہمارے، ان کے گن گنا ہمارا کام۔ عیسائی، یہودی، مسلمان سب مل کر اللہ اور اس کے رسولوں کی مدح و ثناء کریں تو کون مانع ہے؟

صاحبو! عیسائی، یہودی تو ایک طرف، خود مسلمانوں کے فرقے ایک دوسرے سے پھٹ گئے ہیں۔ نماز میں کونسے الفاظ ہیں، کون سے کام ہیں جن میں متفرق فرقے موافق نہیں؟ ان مشترک چیزوں میں کیوں فرق اسلامیہ باہم شریک نہیں ہوتے اور مل کر نماز نہیں پڑھتے؟ صحابہ میں اختلاف رائے بھی تھا۔ مگر نماز سب مل کر پڑھتے تھے اب کیا بلاناہل ہو گئی ہے کہ کوئی کسی کے ساتھ نماز نہیں پڑھتا۔ خیر!

صاحبو! ہم نے ایک مرتبہ کوشش کی کہ مختلف خیال کے لوگ کسی طرح ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ ہماری تحریک کو بہت سے سمجھدار لوگوں نے قبول کیا۔ مسلمان شیعہ سنی، مہدوی، قادیانی، سلیمانی، داؤدی جمع ہو گئے۔ مولوی حبیب الرحمن صاحب شیردانی کے زیر صدارت جلسہ ہوا۔ شیردانی صاحب نے فرمایا۔ یہ فرقے ایک دوسرے سے ملنے کے روادار نہیں۔ کیا آپ ان سب کے مذہب کو ایک کرنا چاہتے ہیں؟

میں نے عرض کیا۔ یہ اگر نماز مل کر نہیں پڑھ سکتے تو کیا مل کر روٹی بھی نہیں کھا سکتے؟ میں تو اسی میں خوش ہوں کہ یہ سب صاحب لوگ میری پکار پر تشریف لائے ہیں۔

میں نے مولوی سید بندہ حسن صاحب کو دیکھا اور کہا۔ میں آپ کو دیکھ کر خوش ہو رہا ہوں اور مولوی فتح اللہ صاحب کو بھی دیکھ کر خوش ہو رہا ہوں۔ اسی طرح میں ہر ایک کو دیکھتا

تھا۔ خوش ہوتا تھا اور اپنی خوشی کا اظہار کرتا تھا۔ مولوی سید بندہ حسن صاحب نے کہا۔
 اسے صدیقی! میں بھی تم کو دیکھ کر خوش ہو رہا ہوں۔ مولوی فتح اللہ صاحب نے بھی فرمایا
 صدیقی صاحب! میں بھی آپ کو دیکھ کر خوش ہو رہا ہوں۔ ہر ایک صاحب نے میری خوشی
 کے جواب میں اپنی خوشی ظاہر کی۔ پس مجلس ”اتحاد المسلمین“ قائم ہو گئی۔ اجلاس کا صدر حاضرین
 مجلس میں سے ایک شخص منتخب کر لیا جاتا تھا اور یہ مجلس باری باری سے ہر ایک شریک کے
 گھر میں قائم ہوتی تھی۔ سب مل کر ہنستے بولتے، چائے لیمن اڑاتے اور غیر مذہبی تحریکات کو پیش
 کرتے۔ ان پر غور کیا جاتا کہ ہم کس طرح زندہ رہیں گے؟ اور کیا کھا کر جیئیں گے؟ ان لوگوں
 میں میں سب سے زیادہ معر تھا۔ لوگ چاہتے تھے کہ میں صدر بنایا جاؤں۔ میں تحریک کرتا تھا
 کہ اس اجلاس میں فلاں نوجوان صاحب صدر بنائے جائیں۔ میری تائید سید بندہ حسن صاحب
 فرماتے تھے۔ میں کہتا تھا ”جناب صدر کو اس مسئلہ پر توجہ دلاتا ہوں“ بچے اس سے شرماتے
 ہم بوڑھے خوش ہوتے اور کہتے تم لوگ ہمارے سامنے کام کرو۔ ہم چند روزہ ہیں۔ تم
 کو دنیا میں جینا ہے۔ تم کو اپنا پردگرم تیار کرنا چاہئے اور اس پر کار بند ہونا چاہئے۔ یہ مجلس
 ایک زمانے تک قائم رہی۔ ایک دفعہ ہمدوی فرقیہ میں اور دوسرے مسلمانوں میں ناچاقی
 پیدا ہو گئی اور قتل و گشت تک نوبت آگئی۔ نواب بہادر یار جنگ نے فرمایا ”میاں“ کو
 بلو کر لاؤ یعنی محمد عبدالقدیر صدیقی کو۔ صدیقی وہاں پہنچا۔ میں نے کہا کہ ہم بڑی شکل
 سے ایک جگہ پر جمع ہوئے ہیں۔ میں ان دونوں لڑنے والی جماعتوں کے درمیان کھڑا
 ہو جاتا ہوں اولاً مجھے مار ڈالیں پھر ص

بعد از سر من کن فیکون شد شدہ باشد۔

(میرا سر جانے کے بعد جو ہوتا ہے ہو جائے)

دونوں جماعتوں نے کہا آپ پر کون ہاتھ اٹھا سکتا ہے؟ اور لڑائی رفع دفع ہو گئی۔

صاحبو! کیا میں ساری دنیا کو رونے کے لئے پیدا ہوا ہوں؟ کیا میرے پاس

خوشی بھی آئے گی؟ کچھ نہیں تو مولوی ایساں برنی صاحب، مولوی سید لطف احمد صاحب

اور کرنل حبیب علی صاحب اور دیگر میرے ہم خیال اخوان الصفا کے ارکان جمع ہوں گے۔ آپس میں خوشی سے بات چیت کریں گے۔ دلی رنج کی وجہ سے اگر خوشی کا نعرہ نہ نکل سکے گا تو ہم مصنوعی اور فرمائشی قہقہوں سے اپنا غم غلط کریں گے۔

صاحبو! آج کل ایک فرقہ نکلا ہے جو حدیث کو نہیں مانتا۔ صرف قرآن کو مانتا ہے۔

اور اپنا نام اہل قرآن رکھتا ہے۔ یہ کیوں؟ اس واسطے کہ احادیث موضوع بھی ہیں اور ضعیف بھی۔ قرآن یقینی ہے۔ لَآسْرَیْبَ فِیْہِ (اس میں کچھ شک نہیں ہے)۔ کیا تمام حدیثیں موضوع اور ضعیف ہیں؟ نہیں! بعض موضوع ہیں اور بعض ضعیف۔ جو حدیثیں موضوع اور ضعیف نہیں ہیں، ان کے ماننے میں کیا عذر ہے؟ مگر اس جھنجھٹ میں کون پھنسے؟

دیکھو سرکاری قوانین میں قانون تعزیرات بھی ہے اور ضابطہ فوجداری بھی۔

قانون تعزیرات پر عمل کرنے بیٹھیں گے تو ضابطہ فوجداری کی ضرورت پڑے گی۔

اسی طرح قرآن پر عمل کرنا چاہو گے تو حدیث شریف کی ضرورت ہوگی۔ جھلا تاؤ صبح کی کتنی رکعتیں ہیں؟ ظہر، عصر، مغرب و عشا میں کتنی ہیں؟ قرآن شریف میں ان کی تفصیل کہاں ہے؟ تفصیل تو احادیث ہی میں ملتی ہے۔

صاحبو! حدیثیں تین قسم کی ہیں۔

(۱) متواتر۔ خواہ بلفظ ہوں خواہ بالمعنی۔ یہ ایسی روایتیں ہیں جن کو ان سے لوگوں

نے روایت کیا ہے کہ عقل باور نہیں کرتی کہ ان سب لوگوں نے جھوٹ پر اتفاق کیا ہو۔

(۲) مستفیض۔ وہ حدیثیں جن کو متعدد لوگوں نے روایت کیا ہے۔ مگر یہ تو اتنی حد کو

نہیں پہنچتیں۔ تاہم ان سے بھی ظن غالب ہوتا ہے۔ دنیا کے تمام کام ظن ہی پر چلتے ہیں۔

یقیناً پر اپنے کام موقوف رکھو گے تو عیناً دشوار ہو جائے گا جان آفت میں پڑ جائے گی۔

(۳) خبر آحاد۔ ایسی خبر جس کو ایک دو آدمیوں نے روایت کیا ہو۔ سارے جھگڑے

خبر آحاد ہی میں پڑتے ہیں۔ متواتر اور مستفیض میں مجال سخن نہیں۔ کون کہتا ہے کہ بلا تحقیق

ہر خبر آحاد کو مان لو۔ ہم کہتے ہیں کہ **إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا (المحرمات-۶)**

یعنی اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تم اس کی تحقیق کرو، چنانچہ میں کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ ہر مدعی روایت کو اصول شہادت پر جانچتے۔ یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں سے کوئی روایت ہو تو اس کو قبول کرتے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عادت تھی کہ راوی کو قسم دیتے اور قسم کو ایک گواہ کا قائم مقام سمجھتے۔ اب تو احادیث موضوعہ جمع اور طبع کردی گئی ہیں۔ حدیث کی بڑی بڑی کتابوں میں لکھا جاتا ہے کہ فلاں فلاں حدیث ضعیف ہے۔ اسما درجال میں راویوں کے حالات کی تحقیقات کی جاتی ہے۔ بہت سی کتابیں چھوٹی ہیں مگر متعین ہیں اور ضعیف احادیث سے پاک ہیں۔

صاحبو! خدا و رسول کی محبت ہے تو تم بھی احادیثِ رسول پر غور و فکر کرو۔ تنقید کرو، تحقیق کرو، تدقیق کرو۔ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے۔ ابتداء سے انتہا تک، ماضی سے حال تک علماء اجتہاد کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ہمت ہے تو تم بھی کچھ کام کرو اچھا کام کرو تو ہم بھی داد دینے کے لئے تیار ہیں۔ ہاں دیکھو! یہ کہنا کہ ہم حدیث کو نہیں مانتے اس بات کے مترادف ہے کہ ہم رسول خدا کو نہیں مانتے، ان پر ایمان نہیں رکھتے۔ ان کی شان ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۗ اِنْ هُوَ اِلَّا وَّحْيٌ يُّوحَىٰ (النجم ۲۳) یعنی آپ اپنی نفسانی خواہشات سے کچھ نہیں کہتے مگر یہ کہ یہ تو صرف وحی ہے جو ان پر کی جا رہی ہے۔ اس سے انکار خود قرآن کریم سے انکار کرنا ہے۔ وَمَا اَنْتُمْ مَسْلَمٰتُمْ لِرَسُوْلِ الْاِلٰهٍ لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء ۶۴) یعنی ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ بہ حکم خدا اس کی اطاعت کی جائے۔ وَمَا اَنْتُمْ مَسْلَمٰتُمْ لِرَسُوْلِ فَيُخَذَ وَجْهُكُمْ مِمَّا هُمْ عَنْهُ فَانْتَهُمُ (الحشر ۷) یعنی اور پیغمبر تم کو جو کچھ دے اس کو لے لو اور جس چیز سے منع کرے اسے چھوڑ دو، باز رہو۔ اصل میں یہ لوگ قومی یا بین الاقوامی مسلمان ہیں۔ اپنے اغراض و مقاصد پورا کرنے کے لئے قرآن کو اپنا سپر بنا رہے ہیں۔ قرآن کو بھی موز توڑ کر اپنی غرض کے مطابق اس کے معنی نکالنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ان کو رسول سے غرض نہیں تو قرآن سے کیا سروکار؟

صاحبو! قرآن و حدیث سمجھنے کے لئے عربی کی ضرورت ہے۔ خود صرف کی حجت ہے۔ اصول فقہ سے استغناء نہیں۔ اسمائے رجال سے واقفیت لابد ہے۔ دیگر مجتہدین کے آراء سے آگاہی ناگزیر ہے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ ہمت ہے تو کچھ کام کر کے دکھلاؤ۔ نری لفاظی کام نہیں آتی۔ خدا سے ڈرو، اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ خدا کو منہ دکھانا ہے۔ اس کو اپنے کاموں کا جواب دینا ہے۔ خیر! خدا سب کو اعمالِ حسنہ کی ہدایت دے۔ اور توفیقِ نیک عطا فرمائے۔

اب میں اسلام کے بنیادی اصول بیان کرتا ہوں جن سے کوئی صاحبِ عقلِ سلیم اور حاملِ فہم مستقیم انکار نہیں کر سکتا۔
اسلام کا پہلا بنیادی اصول توحید ہے۔

(۱) توحید

توحید صاحبو! دنیا کے تمام اختلافات کی جڑ معبودوں کا جواہد ہونا ہے۔ اللہ سب الٰہا سب اب ہے۔ سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے۔ **وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ** یعنی اللہ ہی کی طرف تمام کاموں کا رجوع ہے۔ (البقرہ - ۲۱۰) مسلمانوں کے پاس کیا ہے؟ **قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ**۔ یعنی اے مخاطب تم کہو کہ اللہ ایک ہے اور ہر طرح سے ایک ہے۔ اس کے اجزا نہیں۔ وہ مرکب نہیں **اللَّهُ الصَّمَدُ** یعنی اللہ بے نیاز ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ سب اسی کے محتاج ہیں۔ خدا کا وجود بالذات ہے، ذاتی ہے۔ ماسوا اللہ کا وجود بالعرض ہے، خدا کا عطیہ ہے۔ کوئی بالعرض بغیر بالذات کے ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کی ایک گونہ تفصیل آئندہ کی جائے گی **لَمْ يَلِدْ** یعنی اس کے بچے نہیں، اس نے کسی کو جنما نہیں۔

دوستو! بعض بچوں کے پیٹ میں سے کیچوسے نکلتے ہیں، کدو دانے خارج ہوتے

ہیں۔ کیا وہ آدمی کے بچے ہیں؟ ہرگز نہیں! باپ بیٹے میں کچھ تو مناسبت ہو۔ اچھا! پھر سپوت اولاد وہ ہے جو باپ سے زیادہ کام کرے۔ پوت وہ ہے جو باپ کے برابر کام کرے۔ کیوت وہ ہے جو نالائق ہو، بیکار ہو۔ خدا نے آسمان بنایا، زمین بنائی۔ کسی اور نے بنایا ہی کیا جو خدا سے زیادہ کوئی کام کرتا۔ لہذا خدا کا کوئی سپوت نہیں۔ اس کے برابر بھی کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس کا پوت بھی نہیں ہو سکتا۔ کیوت اولاد سے تم بھی راضی نہیں تو بھلا کس طرح خدا کی اولاد ایسی ہو سکتی ہے اور اس کی شایان شان بن سکتی ہے۔ وَلَمْ يُولَدْ یعنی خدا کو کسی نے جنما نہیں۔ وہ خود کسی کی اولاد نہیں۔ باپ پہلے ہوتا ہے بیابعد۔ خدا تو سب سے پہلے ہے۔ اس سے پہلے کوئی نہیں ہو سکتا۔ وَلَمْ يَكُنْ لَكَ كُفْوًا أَحَدٌ (الخلاص) یعنی اس کی جوڑکا، اس کے برابر کا کوئی نہیں۔ میوی کی خواہش حیوانی جذبہ کا نتیجہ ہے۔ خدائے تعالیٰ اپنی خلاف شان چیزوں سے پاک ہے، مبرا ہے۔ فَسُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ (الطور ۵۲) پس خدائے تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک ہے جن کے متعلق منکر شرک کیا کرتے ہیں۔

صاحبو! کسی جماعت میں چند طالب علم بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک طالب علم دوسرے طالب علم پر آگرا۔ وہ بگڑ گیا اور پوچھنے لگا کہ تم مجھ پر کیوں گرتے؟ تم نے مجھے کیوں دھکا دیا؟ وہ کہتا ہے۔ میں اپنے سے نہیں گرا۔ دوسرے نے مجھے دھکا دے کر تم پر گرا دیا۔ جس سے پوچھتا ہے وہ یہی کہتا ہے کہ میں اپنے سے نہیں گرا۔ بلکہ دوسرے نے دھکا دے کر گرایا۔ وہ بچہ جس کو دھکا دیا گیا تھا کبھی قبول نہیں کرتا اور کہنے لگتا ہے۔ ضرور کسی نے شرارت کی ابتدا کی ہے۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ یہ بچہ کیوں قبول نہیں کرتا؟ کیوں اصرار کرتا ہے کہ کسی نے شرک کی ابتدا ضرور کی ہے۔ اس کی فطرت اس کی عقل سلیم انکار کرتی ہے کہ کوئی بالعرض بغیر بالذات کے موجود ہو۔ اسی طرح ہماری عقل سلیم بھی کبھی قبول نہیں کرتی کہ ہمارا وجود بالعرض بغیر وجود بالذات کے بھی ہو سکتا ہے۔ غرض خدا کا ہونا اور اس کا وجود عقلِ انسانی میں ضرور ہے۔

صاحبو! ذرا پڑھو۔ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ إِلَهِ النَّاسِ (النَّاسِ) یعنی اسے مخاطب تم کہو میں پناہ لیتا ہوں سب لوگوں کے پروردگار کی۔ وہ صرف سب کا پالنے والا پرورش کرنے والا ہی نہیں بلکہ سب کا بادشاہ بھی ہے سب کا حاکم سب کا مقتدر اعلیٰ بھی ہے۔ اور صرف سب کا بادشاہ ہی نہیں بلکہ سب کا معبود بھی ہے۔ ان کا اللہ بھی ہے۔ مگر پناہ کس سے؟ اس سے جو اس کے خیال سے پھیرنا چاہے۔ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ (النَّاسِ) یعنی ایسے دوسے ڈالنے والے کے شر سے میں پناہ مانگتا ہوں جو دوسے ڈال کر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

صاحبو! بچہ پیدا ہوتا ہے تو ماں کو جانتا ہے نہ باپ کو اور نہ آیا کو۔ اس کی نظر تک نہیں ٹھہرتی تو کس کو دیکھے گا؟ لیکن اس کی فطرت، اس کی طبیعت، اس کی انسانیت یہی کہتی ہے کہ اس کی بھوک میں کام آنے والا کوئی ہے ضرور، جب ہی تو وہ منہ پھاڑ پھاڑ کر چو طرف اپنے پالنے والے کو ڈھونڈتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے، پالنے والا ہے، جو اس کو دودھ دے گا، اس کی پرورش کرے گا۔ وہ سمجھتی ہے، بصیرت بھی ہے اور خبر بھی۔ اس کے رونے کو سنتا ہے۔ اس کی بے قراری کو بھی دیکھتا ہے اور وہ اس کے ہر حال سے واقف ہے۔

چند روز کے بعد بچہ کی نظر ٹھہرتی ہے تو وہ ماں کو بھی دیکھتا ہے اور باپ کو بھی۔ مگر وہ اپنی نادانی کی وجہ سے ماں اور باپ کو اپنا رب سمجھتا ہے۔ اپنا پالنے والا جانتا ہے۔ یہ بلا جذبہ فطری تھا۔ بعد حضرت عقل کا دھوکا ہے۔ بچہ اور بڑا ہوتا ہے۔ باپ کو بھی پہچانتا ہے اور اس کے کاموں کو دیکھنے لگتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا باپ گمنا ہے اور اس کی ماں کو دیتا ہے جو اس کو دودھ پلاتی ہے، کھانا کھلاتی ہے۔ پس اس کا اور اس کی ماں کا پالنے والا اس کا باپ ہے۔ پھر تھوڑا سا غور کرتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اس کا باپ بادشاہ یا سرکار کے پاس ملازم ہے۔ سرکار دیتی ہے تو اس کا باپ بھی پلتا ہے، ماں بھی اور خود بھی لہذا بادشاہ ہی رب ہے۔ جب اور ذرا عقل برہمتی ہے تو بادشاہوں کے حال پر غور

کرتا ہے۔ اور دیکھتا ہے کہ ایک بادشاہ مر جاتا ہے اور اس کی حکومت دوسروں کو چلی جاتی ہے۔ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کا بادشاہوں کو پالنے والا یعنی رب سمجھنا غلط ہے۔ بلکہ ہمارا کوئی اصلی بادشاہ بھی ہے۔ اور یہی معنی میں **مَلِكِ النَّاسِ** کے۔

دیکھو! بچہ پھر غور کرتا ہے۔ مزید فکر کرتا ہے۔ خوب سوچتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ انسان فانی ہے، مرجانے والا ہے وہ کیوں رب ہو سکتا ہے؟ وہ کیا حقیقی بادشاہ ہو سکتا ہے؟ پھر اس کے دل میں خیال آتا ہے کہ یہ عناصر یہ آگ، پانی، ہوا، مٹی تمام انسانوں کی اصل ہیں۔ اس واسطے ان ہی چیزوں کی پوجا کرنے لگتا ہے۔ نظر اٹھا کر دیکھتا ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں جو تغیر ہوتا ہے وہ سب ستاروں کے اثرات سے ہے۔ پس ستارہ پرستی کرنے لگتا ہے۔ پھر جب مزید غور کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب مادیات ہیں جو بے علم و ارادہ ہیں۔ کیونکہ مادہ کی خصوصیات یہ ہیں کہ وہ ساکن ہے تو ساکن جب تک کوئی متحرک نہ کرے۔ متحرک ہے تو متحرک جب تک کوئی ساکن نہ کر دے۔ مادہ میں علم و ارادہ کہاں؟ تمام ستارے اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ کیا مقدر کہ وہ حرکت کرنا چھوڑ دیں۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم پر حکومت کرنے والا کوئی صاحب علم و ارادہ ہے۔ بعض دفعہ اس کے دل میں آتا ہے کہ یہ سب تو توں کا کھیل ہے۔ پھر اس کی سمجھ میں آجاتا ہے کہ ان سب قوتوں کا مرجع ایک ہی ہے۔ وہی بالذات موجود ہے۔ وہی علم و حکمت والا ہے۔ یہ معنی میں **إِلَهِ النَّاسِ** کے اس کے دل میں مختلف دوسے آتے ہیں مگر وہ زیادہ دیر تک ٹھہر نہیں سکتے۔ آخر فطرت غالب آجاتی ہے۔ جس طرح پیدا ہونے پر خدا کو علیم، سمیع، بصیر، قدیر سمجھنا تھا اب پھر وہی سمجھنے لگتا ہے اور یہی معنی **هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ** کے (حدیدہ ۳) صاحبوا! اب میں چند اہم اور ضروری مسائل کو زیر قلم لاتا ہوں۔ دیکھو! نلوں میں سے پانی نکل رہا ہے۔ کیا ان نلوں میں خود پانی پیدا ہوا یا ان کا بھی کوئی مرکز ذبیح ہے؟ کیوں نہیں! آلاب سے نلوں میں پانی آ رہا ہے اور تالاب ان کا منبع و مرکز ہے۔ اسی طرح

تمام مخلوقات کے کمالات کا منبع ذاتِ خداوندی ہے۔

ابھی اوپر بیان کیا گیا کہ بالعرض کا وجود بغیر بالذات کے محال ہے۔ خدا کا وجود بالذات ہے، اس کے کمالات ذاتی ہیں تو ممکنات، مخلوقات کو جو کچھ ملتا ہے، اسی جوادو کریم سے ملتا ہے۔ یہ علم کس سے ملا؟ سب کے علم کا مرجع بھی ذاتِ خداوندی ہے۔ اس سے بڑھ کر نادانی کیا ہوگی کہ خدا کو نادان سمجھیں۔ لہذا خدائے تعالیٰ سب چیزوں کو جانتا اور ان سے واقف ہے۔

اچھا! کیا خدائے تعالیٰ سب چیزوں کو جان کر پیدا کرتا ہے یا پیدا کرنے کے بعد جانتا ہے کہ اس نے ان چیزوں کو پیدا کیا؟ نہیں! تمام مخلوقات کو جان کر پیدا کرتا ہے۔ پیدا کرنے کے بعد جاننے سے قبل خلق جہل لازم آتا ہے **سُبْحٰنَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرٰکُوْنَ** **عَلَّوْا کَبِیْرًا** (بنی اسرائیل ۲۲) یعنی خدائے تعالیٰ ان تمام عیوب سے بہت ہی پاک اور اعلیٰ وارفع ہے جو نادان لوگ اس پر لگاتے ہیں۔ جب اللہ جان کر پیدا کرتا ہے تو تمام حقائق اشیاء تمام چیزیں قبل خلق علم الہی میں تھیں اور خدائے تعالیٰ چیزیں جیسی تھیں ان کو ویسا ہی جانتا تھا۔ جیسا معلوم ہوگا ویسا ہی علم ہوگا۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ چیز کچھ اور ہو اور خدا جانے کچھ اور۔ یہ تو صریحاً جہل مرکب ہے جو عیب ہے۔ اور خدا ہر عیب سے پاک ہے۔

آنکس کہ تداوند بداند کہ بداند

درجہ سہل مرکب ابدالہر بمسند

ایسا شخص جو نہیں جانتا اور سمجھتا ہے کہ جانتا ہے تو وہ ہمیشہ جہل مرکب میں پڑا رہتا ہے۔

اچھا! یہ تو بتاؤ۔ خدا جب چور کو پیدا کرتا ہے، ڈاکو کو بھی پیدا کرتا ہے تو کیا اچھے خاصے

آدمی کو چوری دیتا ہے یا اس سے ڈاکہ ڈلواتا ہے؟ نہیں! خدا چور اور ڈاکو کو پیدا کرتا ہے۔ چور

اپنی طبیعت کے اقتضا کے موافق چوری کرتا ہے۔ اسی طرح ڈاکو کو بھی پیدا کرتا ہے اور وہ

اپنی طبیعت کے اقتضا کے مطابق ڈاکہ مارتا ہے۔

نیش عقرب نہ دریغے کیں است
مقتضائے طبیعتش این است (سعدی)

بچھو کسی کو دشمنی کی بنا پر ڈنک نہیں مارتا بلکہ اس کی طبیعت کا یہی مقتضائے (ص)
سب مخلوقات اپنی اپنی فطرت کے موافق کام کرتے ہیں۔ اچھا باپ پہلے پیدا ہوگا
یا بیٹا؟ نہیں پہلے باپ ہوگا اور پھر بیٹا۔ کیا پیدا ہونے میں بھی کوئی ترتیب ہے؟ کیوں
نہیں! تم کوئی جلسہ کرتے ہو تو پہلے اس کا ایک پروگرام، ایک نظام العمل تیار کرتے ہو۔ پھر
اس کے مطابق جلسہ کی کارروائیاں ہوتی ہیں۔ اسی طرح خدائے تعالیٰ کے پاس ساری دنیا
کے پیدا کرنے کا بھی ایک پروگرام ہے۔ ایک بالضابطہ نظام العمل ہے۔ ہر چیز کو اس کے وقت
پر پیدا کرتا ہے۔ پہلے کو پہلے اور بعد کو بعد۔ یہی اس کے عظیم و حکیم کہلانے کا سبب ہے اس
نظام العمل کا نام کیا ہے؟ ”تقدیر“ یا ”قدر“۔ اور جب خدائے تعالیٰ تقدیر یا نظام العمل کے
مطابق ہر چیز کو پیدا کرتا ہے تو اس کو ”قضا“ کہتے ہیں۔

صاحبو! ایک اور مسئلہ پر بھی ذرا غور کرو۔ انجینئر گھر بناتا ہے۔ اس کا ایک نظام
ہے۔ گھر میں آرام کا کمرہ، ملاقات کا کمرہ، باورچی خانہ، پاخانہ بھی ہے۔ ہم اضافی طور سے
آرام کے کمرے اور ملاقات کے کمرے کو حمام اور باورچی خانہ سے بہتر سمجھتے ہیں اور
پاخانہ کو سب سے بدتر جانتے ہیں۔ مگر ذرا انجینئر سے پوچھو۔ اس کے گھر کے نظام
کے لحاظ سے ہر چیز اپنے مقام پر ضروری ہے۔ گھر میں پاخانہ نہ ہوگا تو سارا گھر پاخانہ ہو جائیگا
لہذا خدائے تعالیٰ کی حکمت بالغہ کی وجہ سے اس نے جو کچھ پیدا کیا اچھا ہی پیدا کیا۔ برائی کو
اس کی حکمت بالغہ کے پاس رسائی نہیں۔ سہ

دینا ہے ہر اک کو حکیم
وہی نمایاں ہوتا ہے
جس کی جیسی طبیعت ہے
جس کی جیسی فطرت ہے (حسرت صدیقی)

سُبْحَانَ اللَّهِ! وہ بد نظمی سے پاک ہے۔ دنیا کی رنگارنگی اور بوقلمونی سب اس

کی حکمت و قدرت کے تماشے میں۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا (آل عمران: ۱۹۱) یعنی اے ہمارے پروردگار! تو نے کوئی چیز بیکار اور فضول نہیں پیدا کی۔ خدا کو نادان سمجھنا، غیر حکیمانہ کام کرتا ہے خیال کرنا نادانی ہے، جہالت ہے۔ (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ -

أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ (المؤمنون - ۹۷) پناہ بخدا! شیطان کے وساوس سے اللہ ہی بچائے۔ ارشادِ باری ہے۔ فَلَا تَلُوْا مَوْتِيْ وَلَوْ كُنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ (ابراہیم - ۲۲) مجھے برا بھلا کیا کہتے ہو، کیوں ملامت کرتے ہو۔ برا بھلا ہی کہنا ہے تو اپنے آپ کو کہو۔ خود کو ملامت کرو۔

صاحبو! اسلام کا دوسرا بنیادی اصول رسالت ہے۔

(۲) رسالت

رسالت بعثت نبوی کے قبل دنیا میں جہالت و ضلالت کی سخت تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ مجوسی آتش پرستی میں گرفتار تھے۔ صابئین ستارہ پرستی میں مشغول تھے۔ مشرکین اپنے ہاتھوں سے بت بناتے اور ان کو خدا سمجھتے تھے۔ خود کعبۃ اللہ شریف میں تین سوساٹھ بت بٹھار رکھے تھے۔ یہ تو وہ تھے جو خدا نے تعالیٰ کو کچھ نہ کچھ مانتے ضرور تھے۔ مگر اس زمانے میں دہر کے قائل اور خدا کے وجود سے انکار کرنے والوں کی بھی کچھ کمی نہ تھی۔

الحاصل یہ دور اعتقادات کی خرابی کا ایک نمونہ تھا۔ اخلاق و تمدن کی تباہی و بربادی تو ناگفتہ بہ تھی۔ ایک عورت کے کئی خاوند ہوتے۔ باپ اپنی بیٹی سے، بیٹا اپنی علاقائی ماں سے شادی کرتا۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کرتے۔ عورتیں بالکل محروم الارث، بلکہ سستی کی رسم زندہ ہی کبے لکھی کہ درانت تک نوبت پہنچتی۔ چوری، حرام کاری، شراب خواری، سود خواری، قمار بازی عام تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر جدال و قتال کا بازار گرم رہتا۔ ایک کے عوض ہزار

کو قتل کر دیتے اور جنگ کہیں ختم ہونے کا نام تک نہ لیتی۔ غرض کہ جہالت کی حکومت تھی اور ضلالت کی سلطنت۔ دنیا فسق و فجور سے معمور تھی اور اہل دنیا شراب و غفلت سے معمور۔ چونکہ عادتِ خداوندی اسی طرح جاری ہے کہ قحط کے بعد سرسبزی، خزاں کے بعد بہار، تاریکی کے بعد روشنی اور ظلمت کے بعد نور عطا ہوتا ہے۔ لہذا یہ وقت تھا کہ خدائے تعالیٰ ضلالت کے بعد ہدایتِ جہالت کے بعد علم و معرفت عنایت فرماتا اور بزدلوں کو جو وادی کفر و فسق میں سرگشتہ ہو رہے تھے، شاہراہِ ایمان و اذعان کی طرف ہدایت کرنے کے لئے رسول کو مبعوث کرتا۔

محل نبوت کے لئے مکہ کی اہمیت

یہ سب کو معلوم ہے کہ مکہ معظمہ نافِ زمین کہلاتا ہے۔ اور یہ شہرتِ خلافِ واقعہ بھی نہیں کیوں کہ عرب کی ایک جانب ایشیا، دوسری جانب یورپ اور تیسری جانب افریقہ ہے

لہذا وسط سے تمام جوانب میں علم و معرفت کا پہنچنا آسان اور مرکز سے اقطارِ عالم تک نورِ ہدایت کا ایصال ہل تھا۔ نیز اس زمانے میں چونکہ نہر سوئز کھدی نہ تھی، اس لئے تجارت اور لین وین عرب کے ذریعہ ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے عرب کے ذریعہ یورپ، افریقہ اور ایران و ہندوستان کو خبر رسالت کا وصول ہل الحصول تھا۔

شہر مکہ میں ہر مذہب و فرقہ کے لوگ یہود و نصاریٰ، صابئین، مجوسی، بت پرست اور دیگر موجود تھے، جن کی تردید اور جن سے مناظرہ دوسرے کسی اور مقام میں دشوار اور دور دراز کا تھا۔ نیز عرب کی حالت بہ نسبت اور تمدن اقوام کے بد سے بدتر ہو رہی تھی اور یہ مشکل یہ جنگجو تخت فرج قوم کسی غیر شخص کے سامنے گردن تسلیم فرم کرتی۔ نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اسحاق علیہ السلام کے خاندان میں بہت سے الوالعزم رسول اور نبی پیدا ہو چکے تھے اور عرب متعزبہ جو خدامِ کعبہ اور مدعی ملتِ ابراہیمی و نیز حضرت ابراہیم کے بڑے فرزند حضرت اسماعیل کی اولاد تھے۔ اس عظیم الشان شرف اور مرتبہ نبوت و امامت سے محروم رہ جاتے اگر ان میں کوئی رسول مبعوث نہ ہوتا۔ لہذا حکمتِ الہی اس امر کی متعقبنی ہوئی کہ فاران کی چوٹیوں اور مکہ کی سرزمین

سے ایک آفتابِ نبوت و رسالت طلوع کر کے روئے زمین سے جہالت و ضلالت اور فرق و فجور کی ظلمت کو دور اور اسے نورِ ہدایت و معرفت سے معمور کر دے

واضح ہو کہ انسان تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ادنیٰ۔
اوسط۔ اعلیٰ۔ (۱) ادنیٰ تو وہ ہیں جن کے قولے عقلیہ

اصلاح اور تکمیل خلق

و علمیہ ناقص ہیں اور وہ خواہشات نفسانی و لذاتِ جسمانی میں منہمک رہتے ہیں۔ یہ عوام ہیں (۲) اوسط وہ اشخاص ہیں جو خود کامل بذاتہ ہیں۔ ان کے صفات پسندیدہ، ان کے عادات برگزیدہ مگر ان کا اثر متعدی الی غیر نہیں (۳) اعلیٰ وہ افراد ہیں جو نہ صرف خود بذاتہ اعلیٰ صفات و اکل عادات رکھتے ہیں بلکہ ان کے انوارِ تعلیم سے سرگشتگان و ادنیٰ جہالت شاہراہِ ہدایت پر آجاتے ہیں۔ وہ دوسروں کی قوتِ نظری و علمی دونوں کی تکمیل کرتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کمالاتِ قوتِ نظری میں سے معرفت اور قوتِ عملی میں سے اطاعتِ حق تعالیٰ رئیسِ کمالات ہے۔ جو شخص معرفت و اطاعتِ حق میں جس قدر کامل ہوگا اسی قدر وہ معرفت و اطاعتِ حق کے لئے فیضِ رساں بھی ہوگا۔ اور جو شخص دوسروں کی تکمیل معرفت و اطاعتِ حق، افضل و اعلیٰ طریقہ پر کرے گا اسی کے درجاتِ نبوتِ اکمل و اعلیٰ ہوں گے۔

یہ تو ہم نے بیان کر دیا ہے کہ قبلِ بعثت محمدی دنیا شرک و کفر اور تثلیث و بت پرستی، ظلم و ستم، فسق و فجور میں غرق تھی۔ توحید و معرفت، اخلاص و اطاعتِ الفاظِ بلا منعی، اس لئے بلا مسمیٰ تھے۔ حضرت کی بعثت کے بعد دنیا کا کیا حال ہوا؟ چشمِ انصاف سے دیکھو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ دنیا کا انقلاب باطل سے حق، ظلمت سے نور، کذب سے صدق، کفر سے ایمان، شرک سے توحید کی طرف ہو گیا ہے اور اس ذاتِ مطہرہ کے اثرِ تعلیم سے ایک بہت بڑی تعدادِ بشری کی قوتِ نظری و عملی کی تکمیل ہو گئی ہے۔ اگر کوئی شخص عقل کی آنکھوں سے تعصب و عناد کا پردہ ہٹا کر دیکھے تو اس پر یہ ثابت ہوگا کہ حضراتِ نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہ السلام نے جس قدر اصلاحِ نوریہ بشر اور تکمیلِ قوت و عمل نظر کی ہے، اس سے کہیں زیادہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے، اور اس کے پاک اثر سے ہوئی۔

صاحبو! تم تمام انبیا کی نبوت کو جس معیار امتحان پر آزماتے ہو اسی پر حضرت کی تعلیم و ارشاد اور تکمیل عباد کو آزماؤ۔ یہ خالص بے غل و غش سونا چمک کر سب سے اعلیٰ و افضل اور اتم و اکمل ثابت ہو جائے گا۔

تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ابھی بطنِ مادری میں تھے کہ آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ چھ برس کے بعد آپ کی والدہ

ماجدہ رحلت کر گئیں اور اس طرح نہایت کم عمری میں یہ درِ یتیم تعلیم و تربیت پداری و شفقت و محبتِ مادری سے محروم ہو گیا۔ والدہ کے دو سال بعد ہی دادا کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ نہ آپ کو کسی نے تعلیم دی اور نہ تربیت کی اور نہ لکھنا پڑھنا سیکھایا۔ بھلا کوئی آپ کی کیا تعلیم کرتا جب کہ تمام روئے زمین سے زیادہ خود مکہ پر ابرجہالت چھایا ہوا تھا۔ نہ کوئی بیت العلوم تھا نہ مدرسہ۔ لکھنے پڑھنے والے خال خال تھے۔ پھر جو شخص چالیس سال تک اس طرح بے تعلیمی و بے تربیتی میں گزارے کیا بغیر ارشادِ خداوندی و تعلیمِ علم لدنی ممکن تھا کہ دفعتاً چالیس برس کی عمر میں ایک انقلابِ عظیم پیدا کر دے اس کے دل سے آفتابِ ہدایت چمکے اور تمام عالم کو نور سے معمور کر دے، اس کے سینے سے دریائے علم و معرفت جاری ہو اور تشنگانِ دشتِ ضلالت و حیرت کو سیراب کر دے۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست
کتبِ خزانہ چند ملتِ ہشت (سعدی)

ترجمہ :- اس یتیم نے جس نے قرآن کو موضوع نہیں کیا کئی قوموں کے کتب خانے دھو ڈالے یعنی "ایک امی وہ قرآن لے آیا جس کا علم تمام قوموں کے علوم پر فائق ہو گیا"۔

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عالم سے قرآن شریف کے متعلق تحدیٰ کی۔ اب اگر قرآن شریف اعجاز ہے تو ہمارا مقصود حاصل ہے اور اگر نہیں ہے تو اس کا معارضہ ممکن ہے

عجائبِ قرآنِ اجمالاً

اور باوجود اس امکان معارضہ اور محارضہ کے شوق اور خواہش کے اس کا نہ ہو سکتا ہے

خرقِ عادت اور اعجاز ہے۔

اعجازِ قرآن بہ اعتبارِ فصاحت

موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ساحر و سحر دان کا بڑا زور و شور تھا تو ان کو عصا اور یدِ بیضا کا معجزہ ملا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں طب و فلسفہ کا بڑا چرچا تھا۔ سقراط، بقراط، جالینوس، فیثاغورث وغیرہ حکماء کا

زمانہ آپ کے زمانے سے قریب تھا۔ اسی لئے موسیٰ، ازلہ مرضِ جذام، نادر زادنا بینا کا اچھا کرنا آپ کو عطا ہوا معجزاً۔ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں مبعوث ہوئے جن کو فصاحت و بلاغت کا بڑا دعویٰ تھا۔ وہ اپنے سوا دوسری اقوام کو عجم یعنی گنگ کہتے تھے۔ کعبہ اللہ شریف کے پردے پر اپنے فصیح و بلیغ قصائد بطور ادا و تہذیبی لٹکار کئے تھے جن کو ”سبعہ معلقہ“ کہتے ہیں۔ اس لئے خدائے تعالیٰ نے ان کے مقابلے کے لئے فصاحتِ قرآن کو اعجاز بنا دیا۔ قرآن کے سامنے تمام فصحاء نے سپردال دی۔ لبید بن ربیعہ صاحبِ قصیدہ چہارم نے شعر کہنا ہی چھوڑ دیا۔ عمر بھران کا مشغلہ تلاوتِ قرآن ہی رہا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام شعراء سے ان کے زمانہ اسلام کا کلام طلب فرمایا تو لبید بن ربیعہ نے سورہ بقرہ لکھ کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا اور عرض کی کہ جب سے ایمان لایا ہوں شعر کہنا چھوڑ دیا۔ کفار قریش کا سردار عقبہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور قرآن سن کر دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دیئے اور رونا شروع کر دیا۔ ابو جہل وغیرہ بدبختانِ ازلی نے اسے بہکایا کہ تو اتنا بڑا سردار اور ایسا فصیح و بلیغ ہو کر قرآن سے متاثر ہوتا ہے۔ تجھے چلنے کے قرآن پر کچھ نہ کچھ الزام لگائے تو اس نے بہت سوچا اور اندازہ کیا مگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔ پھر اس نے تیوری چڑھائی اور برا سامنے بنایا لیکن کچھ اعراض نہ کر سکا۔ کچھ دیر بیٹھ کر چلا آیا۔ پھر بڑی کوشش سے ایک بات سمجھائی دی اور مار سے خوشی کے پھولے نہ سمایا اور کہا تو کیا کہا؟ ”یہ تو چلتا جادو ہے۔“ یہ بھی عقبہ کی ایک پیش گوئی ہے کہ قرآن یکے بعد دیگرے نقل کیا جاتا رہے گا اور کبھی فنا نہ ہوگا۔ اس کی اس رائے کے متعلق اہل دانش و پینش فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آدمی اسی وقت سحر و جادو کہتا ہے جب

کوئی چیز فارق عادت و طاقبت بشری سے خارج ہو۔ عقبہ فصیح و بلیغ ضرورت تھا اور فصاحت کے متعلق اس کی رائے ایک ماہر فن ہونے کی حیثیت سے گونہ وقعت رکھتی تھی مگر وہ زبانِ دانی، فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے عاجز اگر سحر کہنے پر مجبور ہو گیا، جس سے قرآن کی فصاحت قوتِ بشری سے خارج ثابت ہو گئی۔ اب رہا اس کا سحر کہنا سو وہ نہ خود ساحر تھا نہ اصولِ سحر سے واقف تھا۔ لہذا اس کا ادعائے سحر (اگر اس کو سحر کے معنی میں لیا جائے) ساقط از اعتبار ہے۔

حفاظت دنیا کی کسی کتاب آسمانی کو دیکھو کہ وہ اپنی اصلی حالت پر قائم نہیں رہی۔ تورات و انجیل اس قدر محرف ہیں کہ چار و ناچار

اہل کتاب خود قائل ہو گئے کہ پوری بائبل کلامِ الہی نہیں۔ ہاں بائبل میں کلامِ الہی بھی ہے۔ اسی طرح و سائیر اور وید کا حال ہے کہ کوئی ان کو متواتر تو کجا بے روایت احاد بھی ثابت نہیں کر سکتا۔ برخلاف اس کے قرآن شریف کی روایت ایسی متواتر اور متہور ہے کہ مخالفین اسلام تک پکار ٹھے کہ تیرہ سو برس تک کوئی کتاب ایسی محفوظ نہیں رہی۔ قرآن کے سینکڑوں حافظ حضرت کے زمانے میں موجود تھے اور اس وقت سے اب تک برابر دنیا کے اسلام اس کی حفاظت کرتی چلی آرہی ہے۔ ہر شہر اور ہر گاؤں میں قرآن شریف موجود ہے۔ ہر عہد اور ہر زمانے میں ہزاروں لاکھوں حفاظ ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ قرآن شریف کی حفاظت کا ایسا بندوبست ہی اس کے کلامِ الہی ہونے کی ایک بدیہی دلیل ہے اور حضرت کا ایک مستقل معجزہ ہے۔ **خَلَفْنَا مَا بَعْدَنَا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر - ۹)** یعنی قرآن ہم ہی نے اتارا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

قرآن شریف کا
ہر پہلو سے اعجاز

حسن بصری، جنید بغدادی، ابوبکر شبلی،
غوث الاعظم سیدنا عبد القادر جیلانی، محی الدین
ابن عربی، شہاب الدین سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہم

قرآن شریف کو دیکھتے اور معارفِ الہیہ کو استخراج کر کے بیان کرتے ہیں۔ امامِ غزالی، امامِ رازی، ابنِ رشد، نصیر الدین طوسی، جلال الدین دوانی، علم کلام کے مسائل حل کرنے میں پریشان ہوتے ہیں تو قرآن شریف ہی ان کی دستگیری کرتا ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد، امام مالک، امام احمد و حنبل، اسحاق راہویہ نے فقہ و قانونِ اسلام میں بڑی بڑی دقیقہ سنجیاں کیں مگر ماخذ و مناسبات کا یہی قرآن تھا۔ ابنِ مسکویہ، ابنِ مقفع، ابنِ خلدون، طوسی، دوانی کی سیاست میں مشہور کتابیں ہیں۔ مگر سب کا دار و مدار قرآن پر ہی ہے۔ شمس المعارف کبریٰ، اور ادریشادلی، جو اہر خمسہ، مرقع شریف میں اور ادراعیہ میں مگر غور کرو تو سب سے زبردست اعمال آیاتِ سورہ قرآن کے ہیں۔ قرآن شریف کے الفاظ سلیس، بندش دلکش، ترتیب دلفریب، اسلوب خاص، خدائی طرزِ زبان، عجیب عظمت و جبروت، ہر کلمہ اثر میں ڈوبا ہوا، کانوں سے سیدھا دل میں اترنے والا۔ ہر فن کا آدمی قرآنِ پاک کو دیکھے، خوب دیکھے اور دیکھتا چلا جائے۔

قرآن اس کی لیاقت کے مطابق اس کے سامنے نکھرے گا اور اس کے دل پر اپنے اعجاز کا نقش بٹھائے گا۔ جتنا غور کرے گا اتنا ہی اس سے ہدایت کا نور چمکے گا اور عقل و ہوش، فہم و فراست کی آنکھوں کو حیران و خیرہ بنا دے گا۔ عیسائیوں نے دشمنی کی نگاہ سے قرآن کو دیکھا اور کوشش کی کہ قرآن کے اثر سے محفوظ رہیں اور اس سے دور بھاگیں مگر قرآن نے ان کو بھی اپنی طرف گھینٹا اور مجبوراً ان کو اپنے قدیم مذہب کی اصلاح کرتے بنی اور پروٹسٹنٹ کہلائے۔ ہندوؤں نے قرآن کو نظرِ عداوت سے دیکھا مگر وہ ان کو بھی بے اثر کئے کیسے چھوڑتا؟ قرآن نے ان کے قدیم مذہب کی خود ان کی آنکھوں میں قدر باقی نہ رکھی اور ان کو بھی برہمن اور آریہ سماجی مذہب بنانے پڑے۔ غیر مذہب والے قرآن شریف پر دشمنی سے تعصب سے اعتراض کرنے کے حیلان ہی سے نظر ڈالیں تو ان کو خبر بھی نہ ہوگی، معلوم تک نہ ہوگا اور قرآن ان کے دلوں میں گھر بنا لے گا۔ وہ بھاگیں گے مگر وہ ان کو کبھی نہ چھوڑے گا۔ وہ مجبور ہو جائیں گے اور قرآن کے مطابق اپنی مذہبی کتابوں کی کھینچ تان کر کے تاویل کریں گے۔ وہ منہ سے مخالفت کریں گے مگر ان کا دل قرآن کی حقانیت کی شہادت دے گا

ہرقل کا استدلال

اب ہم ”ابوسفیان“ اور ”ہرقل“ قیصر روم کی گفتگو بیان کرتے ہیں۔ وہ حضرت کے مکارمِ اخلاق اور

حسنِ سلوک سے حضرت کی نبوت پر استدلال کرتا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ ان سے ابوسفیان ابنِ حرب نے کہا جو اس واقعہ کے وقت

مسلمان نہیں ہوئے تھے، اور کفارِ قریش کے بڑے معزز سردار اور حاکمِ اعلیٰ تھے۔ ان کو

ہرقل بادشاہِ روم نے قریش کے اور کئی سرداروں کے ساتھ بلا بھیجا اور یہ قریش کے لوگ اس وقت شام کے ملک میں سوداگری کے لئے گئے ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے جس

میں حضرت نے ابوسفیان اور قریش کے کافروں کو (صلح کر کے) ایک مدت دی تھی۔

غرض یہ لوگ ہرقل کے پاس پہنچے، جب کہ وہ اور اس کے ساتھی ایلیا یعنی بیت المقدس

میں تھے۔ ہرقل نے ان کو اپنے دربار میں بلایا اور اس کے گرداگرد روم کے رئیس بیٹھے تھے

اپنے مترجم کو بھی بلایا اور یوں کہنے لگا۔ ”اے عرب کے لوگو! تم میں سے کون شخص اس

شخص کا قریبی رشتہ دار ہے جو اپنے آپ کو پیغمبر سمجھتا ہے؟“ ابوسفیان نے کہا ”میں اس کا

قریبی رشتہ دار ہوں۔“ ہرقل نے کہا ”اچھا اس کو میرے پاس لاؤ اور اس کے ساتھیوں

کو بھی اس کے نزدیک اس کی بیٹھنے کے قریب رکھو۔“ پھر مترجم سے کہنے لگا ”ان لوگوں سے

کہہ دو کہ میں اس سے (ابوسفیان سے) اس شخص (حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کا کچھ حال

پوچھتا ہوں۔ اگر یہ مجھ سے جھوٹ بولے تو تم اس کی تکذیب کر دینا۔“ ابوسفیان نے کہا

”خدا کی قسم اگر مجھ کو یہ شرم نہ ہوتی کہ یہ لوگ میری تکذیب کر دیں گے تو میں ان کے بارے

میں جھوٹ کہہ دیتا۔“ خیر پہلی بات جو اس نے مجھ سے پوچھی وہ یہ تھی کہ ”اس شخص کا تم

میں خاندان کیسا ہے۔“ میں نے کہا ”اس کا خاندان تو ہم میں اعلیٰ ہے۔“ کہنے لگا کہ ”اچھا

پھر یہ دعویٰ کہ میں پیغمبر ہوں، اس سے پہلے تم لوگوں میں سے کسی نے کیا تھا؟“ میں نے کہا

”نہیں۔“ پھر ہرقل نے پوچھا۔ ”ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ گذرے؟“ میں نے کہا

”نہیں۔“ اس نے پوچھا ”اس کی پیروی امیر کر رہے ہیں یا غریب؟“ میں نے کہا ”غریب۔“

کہنے لگا "اس کے تابعدار روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں یا گھٹتے؟" میں نے کہا "گھٹتے نہیں بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔" کہنے لگا "پھر کوئی ان میں سے ایمان لا کر اس کے دین کو بڑا سمجھ کر پھر جاتا بھی ہے۔" میں نے کہا "نہیں" کہنے لگا "جو بات اس نے کہی" میں پیغمبروں اس سے پہلے کبھی تم نے اس کو جھوٹ بولتے دیکھا ہے؟" میں نے کہا "نہیں۔" کہنے لگا "اچھا! وہ عہد شکنی بھی کرتا ہے؟" میں نے کہا "نہیں۔" اب ہم سے اور اس سے صلح کی ایک مدت ٹھہری ہے۔ معلوم نہیں وہ اس میں کیا کرتا ہے" ابو سفیان نے کہا "مجھ کو کوئی بات اس میں شریک کرنے کا موقع نہ ملا بجز اس بات کے۔" کہنے لگا "اچھا! تم اس سے کبھی لڑتے بھی ہو؟" میں نے کہا "ہاں۔" تمہاری اور اس کی لڑائی کیسی ہوتی ہے؟" میں نے کہا "ہم میں اور اس میں لڑائی ڈول کی طرح ہے کہ کبھی وہ ہمارا نقصان کرتا ہے اور کبھی ہم اس کا" کہنے لگا "اچھا! وہ تم کو کیا حکم کرتا ہے؟" میں نے کہا "وہ کہتا ہے کہ بس اللہ ہی کو پوجو اور کسی کو شریک نہ بناؤ اور باپ دادا کی (سترکانہ) باتیں چھوڑ دو۔ اور ہم کو نماز پڑھنے، حج بولنے، حرام کاری سے بچنے اور ناپا جوڑنے کا حکم دیتا ہے" تب ہر قتل نے ترجمہ سے کہا کہ اس شخص سے کہہ کہ "میں نے تم سے اس کا خاندان پوچھا تو تم نے کہا کہ عالی خاندان ہے اور پیغمبر سیشہ عالی خاندان ہی میں بھیجے جاتے ہیں۔ اور میں نے تم سے پوچھا کہ تم لوگوں میں سے پہلے کسی دوسرے نے یہ بات کہی (پیغمبری کا دعویٰ کیا ہوتا) تو میں یہ کہتا کہ یہ اس کی پیروی کرتا ہے۔ اور میں نے تم سے پوچھا کہ اس کے بزرگوں میں کوئی بادشاہ گذرا ہے تاکہ میں سمجھ لوں کہ وہ شخص (پیغمبری کا بہانہ کر کے) اپنے باپ دادا کی بادشاہت لینا چاہتا ہے۔ اور میں نے تم سے یہ پوچھا کہ اس بات کے کہنے سے پہلے تم نے کبھی اس کو جھوٹ بولتے سنا تو تم نے کہا نہیں۔ تو اب میں نے سمجھ لیا کہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگوں پر جھوٹ باندھنے سے پرہیز کرے اور اللہ پر جھوٹ باندھے۔ اور میں نے تم سے پوچھا کہ امیر آدمیوں نے اس کی پیروی کی یا غریبوں نے۔ تو تم نے کہا کہ غریب لوگوں نے اس کی پیروی کی۔ اور پیغمبروں کے تابعدار اکثر غریب ہوتے ہیں اور میں نے تم سے پوچھا کہ تعداد میں وہ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں تو تم نے کہا کہ وہ بڑھ رہے ہیں۔ اور ایمان

کا یہی حال رہتا ہے جب تک وہ پورا ہو۔ اور میں نے تم سے پوچھا کہ کوئی اس کے دین میں اگر پھراس کو بُرا سمجھ کر پھرجاتا ہے تو تم نے کہا کہ نہیں۔ اور ایمان کا یہی حال ہے کہ جب اس کی پشت دل میں سما جاتی ہے تو پھرج نہیں نکلتی۔ اور میں نے تم سے پوچھا کہ کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے۔ تو تم نے کہا کہ نہیں۔ پیغمبر ایسے ہوتے ہیں کہ وہ کبھی عہد نہیں توڑتے۔ میں نے تم سے پوچھا کہ وہ تم کو کیا حکم دیتا ہے تو تم نے کہا کہ وہ یہ حکم دیتا ہے کہ اللہ کو پوجو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اور بت پرستی سے تم کو منع کرتا ہے اور نماز کا، سچائی کا، اور حرام کاری سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔ اگر جو تم کہتے ہو سچ ہے تو وہ عنقریب اس جگہ کا مالک ہو جائے گا جہاں میرے یہ دونوں پاؤں ہیں (ملک شام کا) اور میں جانتا تھا کہ پیغمبر آنے والا ہے۔ لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ پھر اگر میں جانوں کہ میں اس کے پاس ہوتا (مدینہ میں) تو اس کے پاؤں دھو کر خدمت کرتا۔“ پھر اس نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط منگوایا جو آپ نے دجیہ کلبی کو دے کر بصرہ کے حاکم کو بھیجا تھا اور اس نے وہ خط ہرقل کو بھیجا تھا۔ ہرقل نے اس کو پڑھا۔

ابوسفیان نے کہا: ”جب ہرقل کو جو کہنا تھا وہ کہہ چکا اور خط بھی پڑھ لیا تو اس کے پاس بہت شور و غل مچا۔ آوازیں بلند ہوئیں اور ہم باہر نکال دیئے گئے۔ پس میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ابوبکثہ کے بیٹے (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا تو بڑا درجہ ہو گیا۔ اس سے آدمیوں کا بادشاہ بھی ڈرتا ہے۔ اس روز سے مجھ کو برابر یقین ہو گیا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور غالب ہوں گے، یہاں تک کہ اللہ نے مجھ کو مسلمان کر دیا۔

صاحبو! اسلام کا اور ایک بنیادی اصول تحصیلِ علم بھی ہے۔

علم (۳)

علم | قرآن شریف میں ہے۔ قُلْ لَّهِ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ

وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (الزمر- ۹) یعنی اے پیغمبر تم کہہ دو۔ کیا عالم و جاہل دونوں برابر ہو سکتے ہیں اور ایک جگہ ہے۔ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (النساء- ۱۱۳) یعنی اے پیغمبر ہم نے تم کو ان سب چیزوں کی تعلیم دی جن کو تم جانتے نہ تھے۔ اور خدا کا تم پر فضل عظیم ہے۔

صاحبو! کیا فرق ہے مردے اور زندے میں؟ زندہ علم رکھتا ہے اور مردہ بے علم ہوتا ہے۔ انسان تاجِ خلافتِ الہیہ سے سرفراز ہوتا ہے۔ اِنِّي جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيفَةً (البقرہ- ۲۰) کا مظہر بنتا ہے۔ اور تمام عالم پر حکومت کرتا ہے۔ وَسَخَّرْنَا لَكُمْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا ذَالِجًا (الباقیہ- ۱۳) یعنی ہم نے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اس کو تمہارا مطیع اور مسخر بنا دیا۔ وہ ہاتھی کی گردن پر سوار ہوتا ہے اور ہاتھ میں آنکس لے کر جبر جاہتا ہے چلاتا ہے۔ شیر کو پکڑ کر بچرے میں ڈال دیتا ہے۔ سانپ کو پکڑ کر نوکری میں بند کرتا ہے۔ دیل مچھلی کا دودھ پختا ہے۔ شیاطین کو شیشے میں اتارتا ہے۔ ہلک ہتیار سے مسلح ہوتا ہے تو اپنے دشمنوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ پہاڑ اس کے سامنے اپنی سر بلندی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ ڈائنامیٹ لگاتا ہے۔ اور اس کے پرچے اڑا دیتا ہے۔ پہاڑوں کو کھودتا ہے اور ان میں راستہ بنا دیتا ہے۔ سمندر اس کے مقابل اپنی وسعت پر نازاں نہیں ہو سکتا۔ طیاروں میں بیٹھتا ہے اور اس کو پھلانگ جاتا ہے۔

صاحبو! آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْبِئُوْنِي بِاَسْمَاءِ هٰٓؤُلَاءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (البقرہ- ۳۱) یعنی اللہ نے آدم کو اپنے اسماء و حقائق اشیاء دونوں کی تعلیم دی۔ پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا اگر تم اپنے دعویٰ برتری میں سچے ہو تو ذرا ان کے نام تو بتا دو۔ اس علمی امتحان اور مقابلے میں فرشتے ہار جاتے ہیں اور ان کو آدم کی برتری کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اٰجْمَعُوْنَ (قصص- ۲۵)

پھر آدم کو سارے فرشتوں نے سجدہ تعظیمی کیا **اَلَا اِبْلِیْسُ سَوَّءٌ اَبْلِیْسُ** کے۔
اَبِیْ وَاسْتَكْبَرُوْكَ اَنْ مِّنَ الْكٰفِرِیْنَ (البقرہ - ۳۴) یعنی نہ مانا اور انکار کیا اور
وہ منکرین ہی میں کا تھا۔ قوت غضبی کے لال دیو کے دل میں حسد کی آگ مشتعل ہو گئی
اور لگا کہنے **اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِیْنٍ** (اعراف - ۱۲)
میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی کی چھڑ سے۔
صاحبو! ابلیس نے آدم کو سمجھا؟ کیا سمجھا؟ خاک دھول سمجھا۔ مٹی کا پتلا سمجھا۔
اسے کیا معلوم؟ یہ انسان ہے۔ خلیفۃ الرحمن ہے۔ اس میں کس کی روح پھونکی گئی۔
کچھ اس سے بھی واقف ہے؟ **وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ** (الحجر - ۲۹) یعنی میں نے
آدم میں اپنی روح میں سے کچھ پھونک دیا۔ اس کو معلوم نہیں کہ انسان میں نور بھی ہے
اور نار بھی۔ اس سے بھی آتش غضب کی چنگاریاں اڑتی ہیں۔ شیطان نے بھی خدایر
کیا کیا اعتراضات کئے؟ یہ کہ وہ مستحق کے ہوتے غیر مستحق کو حکومت دیتا ہے احکام لگانے
کا حق مجھے ہے۔ خدایے سوچے سمجھے احکام دیتا ہے مگر میں کب ان کو مانتا ہوں
دیکھو! لوگوں کے دلوں میں جو بس گیا ہے کہ خدائی احکام غلط ہوتے ہیں اور ہم
اہل عقل جو حکم دیتے ہیں وہی صحیح ہیں۔ یہ سب اسی شیطان مردود کے کرشمے اور
اسی کے اثرات ہیں۔ یہ نادان **اِنَّ الْحُكْمَ لِلّٰهِ** (الانعام - ۵۷) یعنی حکم دینا صرف
خدا کا کام ہے، اس کو نہیں مانتے۔ دین دار خدا کے احکام کے پابند ہوتے ہیں۔ روزہ
میں کیا کوئی کچھ کھانی بھی سکتا ہے؟ ہر گز نہیں! کیا نماز میں بات کر سکتا ہے؟ ہر گز نہیں!
دیندار کی ہر حرکت و سکون تحت امر الہی ہوتا ہے۔ یہ قوت غضبی کا دیو چپا کیوں کر
بیٹھ سکتا تھا؟ اس نے سب کو بہکانے کے لئے کمر ہمت باندھی۔ **لَا تُغْوِیْہُمْ جِبَعِنَ**
(الحجر - ۳۹ - ص ۸۲) یعنی میں انسانوں کو کب چھوڑتا ہوں۔ ان سب کو بہکاؤں
اور اپنے رنگ میں رنگوں گا۔ مالک فرماتا ہے۔ **اِنَّ عِبَادِیْ لَشَرٌّ لَّکَ عَلَیْہُمْ**
سُلْطٰنٌ (الحجر - ۴۲) یعنی میرے خاص بندوں، میرے مخلصین، میرے مطیع

و فرمانبرداروں پر تیری ایک نہ چلے گی۔ ان پر ہرگز تیرا غلبہ نہ ہو سکے گا۔ دینی زبان سے شیطان بھی اس کا اعتراف کر لیتے۔ (الْاَعْبَادُ كَمَثَلِ الْفُلْحَمِ الْمَخْلُصِينَ) (المجموعہ ۳) ہاں ایتیرے خالص بندے میرے بہکنے میں نہ آئیں گے۔ مگر صاحبوا وہ ہیں کتنے؟ مسخیں بھرا، انگلیوں پر گئے جاسکتے ہیں۔

اچھا! یہ علمی امتحان کا مقابلہ کہاں ہوا؟ علم الہی میں ہوا۔ عالم علوی میں ہوا۔ عالم مثال میں ہوا۔ جس کو خاص خاص لوگ دیکھتے ہیں۔ لیکن ہم اب بھی کیا دیکھ رہے ہیں وہی علمی کامیٹیشن۔ انسان کے سامنے اس طرح سب کا ہار جانا شیطان کا حد کرنا، انسانوں کو بہکانے کی کوشش کرنا، آدمیوں کو تباہ و برباد کرنے کی جد و جہد، اذ قوت غضبی کے دیوتا اتونے بھی اپنے شاگردوں کو خوب تیار کر لیا کہ دنیا میں فساد پھیلایں۔ قتل و کشت کا بازار گرم کریں۔ کسی کو ایمم بم سکھا دیا، کسی کو ہائیڈروجن بم کی ترکیب بتادی اور کسی کو شفاع الموت کا راز سکھا دیا۔ اب دنیا میں امن کہاں؟ چین ملے تو کیوں کر؟ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ مِمَّا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ (الرؤم - ۴۱) فساد کی آگ مشتعل نہ ہو تو کیا ہو۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے، بے گناہ عورتیں، عاجز و ناچار بوڑھے، سب نذر آتش۔ بے شک آج شیطان اپنی کامیابی پر جس قدر ناز کرے کم ہے اس میں وہ حق بجانب ہے۔

چونکہ علم کا مسئلہ بہت اہم ہے اس لئے مزید تائید کے لئے کچھ احادیث بھی سنا دیتا ہوں
عَنْ النَّسْرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ (ابن ماجہ) یعنی انس رضی اللہ عنہ
روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَعَيْتُ وَجَدَهَا فَهِيَ أَحَقُّ بِهَا (ترمذی)

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حکمت کی بات ایماندار کی گم شدہ چیز ہے، پس وہ اس بات کو جہاں پائے اس کے لیے کا وہی زیادہ مستحق ہے۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللَّهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَإِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَعْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَحَبَّتَانِ فِي جَوْفِ الْمَاءِ وَفَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوْرَثُوا دِيْنًا سِوَا وَلَا دَرَهْمًا وَإِنَّمَا الرُّسُلُ لِيُعَلِّمُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحِطِّهِ وَأَقْرَبَ

(ترمذی - ابن ماجہ - دارمی) یعنی ابی درداء سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص علم طلب کرنے کے لئے راستہ چلتا ہے تو خدا نے تعالیٰ اسے جنت کی راہوں میں سے ایک راہ پر لے جاتا ہے اور فرشتے طالب علم کی رضامندی کے لئے تواضعاً اپنے پر پھینچا دیتے ہیں اور عالم کے لئے آسمانوں کے فرشتے اور زمین کے باشندے اور پانی میں کی مچھلیاں سب مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ اور عالم کی بزرگی عابد پر بالکل ایسی ہی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی بزرگی تمام تاروں پر۔ اور علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء نے دینار و درہم کا تو کسی کو وارث نہیں ٹھہرایا بلکہ علم کا وارث ٹھہرایا پس جس نے علم حاصل کیا اس نے میراث انبیاء کا ایک بڑا حصہ حاصل کیا۔

صاحبو! علم کی فضیلت معلوم کی فضیلت سے ہے۔ معلوم جتنا افضل ہوگا اسی قدر علم بھی افضل ہوگا۔ لہذا خدا کے جانتے والے کی فضیلت تمام ماسوا اللہ کے جانتے والوں پر ثابت و محقق ہوگی۔ تم مذہبی معلومات سے بے بہرہ مگر چند اشیاء کے علم پر نازاں۔ ہم مذہبی معلومات کے دلدادہ اور چند غیر ضروری اشیاء سے ناواقف۔ دیکھ لینا کل انشاء اللہ

کون زیادہ گھاٹے میں رہیں گے؟ تم یا ہم۔ اور کس کے متعلق صادق لے گا: ذَالِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ (الحج - ۱۱) یعنی یہی تو صریح اور کھلا نقصان ہے۔
صاحبو! اسلام کا ایک اور بنیادی اصول محبت ہے۔

(۴) محبت

محبت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ (المائدہ - ۵۴) یعنی عنقریب خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جن سے خدا محبت رکھتا ہے اور وہ بھی خدا سے محبت رکھتے ہیں۔ اور ایک جگہ ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ اَخْوَانِكُمْ وَاَنْتُمْ اَللّٰهُ لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ (الحجرات - ۱) یعنی ایماندار لوگ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے بھائیوں میں صلح کرادو (میل جول کے ساتھ رہو) اور خدا سے ڈرتے رہو۔ پرہیزگار بنو تاکہ خدا تم پر رحم کرے۔ حدیث شریف میں ہے: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِي كِتَابٍ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ اَنْ رَحِمْتِي تَغْلِبُ غَضَبِي وَفِي رِوَايَةٍ سَبَقَتْ رَحِمْتِي عَلَى غَضَبِي (بخاری و مسلم) یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب خدا نے مخلوقات کو پیدا کیا تو ایک کتاب میں جو اس کے پاس عرش پر ہے، یہ لکھا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میری رحمت میرے غضب سے سابق ہے۔ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ جَعَلَ اللَّهُ الرَّحْمَةَ مِائَةَ جُزْءٍ وَأَمْسَكَ عِنْدَهُ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ وَأَنْزَلَ فِي الْأَرْضِ جُزْءًا وَاحِدًا فَمَنْ ذَاكَ الْجُزْءُ يَتَرَحَّمُ الْخَلَائِقَ حَتَّى تَرَوَعِ الدَّابَّةُ حَافِرَهَا عَنْ وَلَدِهَا حَتَّى تَنبَهَ أَنْ تَصِيبَهُ (بخاری و مسلم) یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ خدا نے

رحمت کے تو حصے کئے اور ننانوے حصے اپنے پاس رکھ لئے اور زمین میں ایک حصہ تارا۔ اس ایک حصہ کا یہ اثر ہے کہ لوگ آپس میں محبت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جانور اپنا پاؤں اپنے بچے سے اٹھا لیتا ہے اس خوف سے کہ کہیں وہ کھنڈلانہ جائے اور بچہ کو تکلیف نہ پہنچے۔ مَن لَمْ يَرْحَمْ النَّاسَ لَا يَرْحَمْهُ اللهُ (ترمذی) یعنی اللہ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا۔ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ (ترمذی و نسائی) وَأَنْتَ مَعَ مَنْ أَحَبَّ (سلم) یعنی جو جس کو چاہے اس کے ساتھ اور تو جس کو چاہے اس کے ساتھ۔

قرآن و حدیث سے محبت کا وجود ثابت ہوا۔ اب میں اس محبت کے متعلق چند ضروری امور بیان کرتا ہوں۔

صاحبو! تمام دنیا محبت کی بنیاد پر قائم ہے۔ محبت نہ ہوتی تو دنیا گردوغبار کا ایک ڈھیر ہوتی۔ مگر ہر جگہ اس کا جدا نام ہے اور جدا کام، زمین اور زمینیات میں کشش ثقل مختلف مادوں میں کشش کیمیائی، کرات عالم میں تجاذب، جانداروں میں کہیں الفت کہیں شفقت اور کہیں عنایت، کہیں ہربانی اور کہیں رحمت۔

صاحبو! یہ محبت کیوں ہوتی ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں دنیا بٹری خود غرض ہے۔ کوئی کسی کو نہیں چاہتا۔ ہر ایک کے پیش نظر اپنی غرض رہتی ہے۔ کہیں نفع ہے تو کہیں لذت مطلب پورا ہو چکا تو پھر تم کدھر اور ہم کدھر؟ مثلاً جو لوگ ماہوار لے کر یا خانگی طور سے پیسہ لے کر پڑھتے ہیں، ان کی یہ سہمردی بھی پیسہ کی محبت ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ محبت ایک طبعی جذبہ ہے۔ ماں باپ اولاد کو چاہتے ہیں اور اولاد ماں باپ کو۔ دیگر قریب داروں کو بھی لوگ محبت کرتے ہیں۔ ملنے جلنے سے بھی ایک قسم کی محبت ہو جاتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کوئی کسی کو نہیں چاہتا۔ آدمی صرف اپنے آپ کو چاہتا ہے۔ بچوں کو کیوں چاہتا ہے؟ وہ میرے بچے ہیں۔ بیوی کو کیوں چاہتا ہے؟ وہ میری بیوی ہے۔ گھر کو کیوں چاہتا ہے؟ وہ میرا ہے۔ وطن کو کیوں دوست رکھتا ہے؟ وہ میرا وطن ہے۔ بلکہ خدا کو کیوں چاہتا ہے؟ وہ بھی اس لئے کہ وہ میرا خدا ہے۔ میرا معبود ہے۔

دوسروں کے مہبودوں سے مجھے کما غرض سے

اسیر دام گیسوئے محبت آپ اپنا ہوں

جو حُبِ غیر ہے وہ بہتہ زنجیر نسبت ہے (حضرت صدیقی)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ محبت ایک بارش ہے جو آسمان سے اترتی ہے اور سب کو سیراب کرتی ہے۔ محبت میں کیوں "کو کوئی گنجائش نہیں۔ میاں گور سے ہیں اور بیوی کالی" مگر ہے دونوں میں محبت۔ ہم نے دیکھا ہے کہ ایک صاحب کا انتقال ہو گیا۔ ان کی بیوی تین دن تک حجِ کمر گئی۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ خاندان کے مرنے کے بعد بیوی نے اپنے اوپر گیس کا تیل ڈال لیا اور اس کو آگ لگا دی۔ محبوب کے ساتھ محب بھی ختم۔

صاحبو! ماں باپ کے بچوں کو بھائی بہن کہتے ہیں۔ بھائی کے بچوں کو بھتیجا بھتیجی۔ بہن کے بچوں کو بھانجا بھانجی۔ کون ہے جو یہ دعویٰ کرے کہ تیرا بچہ میرا بچہ ہے اور میرا بچہ تیرا بچہ ہے؟ صرف میاں بیوی ہی ایسا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ بڑے نا اہل ہیں، بے احساس ہیں وہ لوگ جو اپنی بیوی کو نہیں چاہتے۔ اس کی محبت کی قدر نہیں کرتے بیوی مرکز محبت ہے۔ سکون دل اور راحت جان ہوتی ہے۔

دنیا میں خصوصاً تمدن میں محبت کو بڑا دخل ہے۔ انسان ایسا بغیر دوسروں کی محبت کے جی نہیں سکتا۔ باورچی کھانا پکاتا ہے۔ جولاہا کپڑے بنتا ہے۔ درزی کپڑے سینتا ہے لوہار اور برصھی بھی اپنا اپنا کام کرتے ہیں۔ کسان زراعت کرتا ہے۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، تب کہیں پیٹ کوروٹی اور تن کو کپڑا میسر ہو تا ہے۔ اسلام کے تمام کاموں پر غور کرو اور دیکھو کہ سب سے تعاون اور ایک دوسرے کی مدد کی تائید نکلتی ہے۔ ذرا انسان کے لفظ پر ہی غور کرو۔ انسان میں انس اصل ہے باقی زاید ہے۔

انسان کا مادہ انس ہی تو ہے۔ اگر کسی میں انس و محبت نہیں تو انسان بھی نہیں ہے

انس انسان کی ہے اصل سمجھ لے حضرت

انس جب تک نہ ہو ممکن نہیں انسان ہونا (حضرت صدیقی)

اسلام کا ایک اور بنیادی اصول حق کی ادائیگی اور فرض شناسی ہے۔

(۵) حقوق و فرائض

حقوق و فرائض

انسان حقوق و فرائض میں گھرا ہوا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے حقوق ہیں۔ بادشاہ اور رعیت کے حقوق ہیں۔ گھر کے لوگوں کے حقوق ہیں۔ دوستوں کے حقوق ہیں۔ خود اپنے آپ کے بھی حقوق ہیں۔ دشمن کا بھی حق ہے۔ حدیث شریف میں ہے: **عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَكْلُكُمُ رَاعٍ وَكَلِمَةُ مَسْئُولٍ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَإِلَّا مَامَ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْمَرْءُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِ زَوْجِهِا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ الْأَكْلُكُمُ رَاعٍ وَكَلِمَةُ مَسْئُولٍ عَنْ رَعِيَّتِهِ (بخاری و مسلم) یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سنو! تم سب اپنی رعیت کے محافظ ہو اور تم سب سے رعیت کی بابت پوچھا جائے گا، بازر پرس ہوگی۔ جو بدی کرنی پڑے گی۔ پس حاکم جو لوگوں کی اصلاح حال کے لئے قائم کیا گیا ہے، رعیت کا نگہبان ہے۔ اس سے اپنی رعیت کے احوال کی بابت پوچھا جائے گا۔ مرد اپنے اہل خانہ کا نگہبان ہے اور وہ اپنی رعیت یعنی اہل خانہ کی بابت پوچھا جائے گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی محافظ ہے اور اس سے ان کی بابت سوال ہوگا۔ آدمی کا غلام اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے اور اس کی بابت اس سے سوال کیا جائے گا۔ سنو! تم سب کے سب راعی ہو، نگران ہو، محافظ ہو اور تم سب اپنی رعیت کی بابت سوال کئے جاؤ گے۔**

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (الذَّٰرِيَةِ - ۱۹)
 یعنی ان کے مالوں میں حصہ ہے اس کے لئے جو مانگے اور نہ مانگے۔ عَنِ امْرِئِجَمِيْدٍ
 قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَادًّا السَّائِلَ وَوَلَوْ
 يَطْلِفُ مَحْرَقٍ يَعْنِي اُمِّ بَجِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا رَوَيْتُ بِهٖ كِهٖ جَنَابِ رَسُوْلِ خِدَاصلِي اللّٰهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِي فَرِيَاكِي مَانِكِي وَوَالُوں كُو خَالِي مَاتَه نِي پھیر وگو ایک سوختہ گھری کیوں نہ ہو۔
 عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِّلسَّائِلِ حَقٌّ وَاِنْ جَاءَ عَلٰى فَرَسٍ يَعْنِي حَضْرَتِ اِمَامِ حُسَيْنِ بْنِ
 عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ رَوَيْتُ كِرْتِي بِهٖ كِهٖ جَنَابِ رَسُوْلِ خِدَاصلِي اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِي فَرِيَا مَانِكِي
 دالے كا حق ہے اگر وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے، یعنی کیا معلوم، کوئی ایسی مجبوری پیش
 آئی ہو کہ باوجود ظاہر خوش حالی کے سائل نے بے عزتی کو گوارا کر لیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ
 فَلِلّٰهِ الدِّينُ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَ لِلْيَتٰمٰى وَ السَّائِلِيْنَ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَ مَا تَعْمَلُوْا
 مِنْ خَيْرٍ فَاتَّ اللّٰهُ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝ (البقرہ - ۲۱۵) یعنی اسے پیغمبر تم سے لوگ پوچھتے
 ہیں کہ ”خدا کی راہ میں کیا خرچ کریں۔“ تم ان کو سمجھا دو کہ خیر خیرات کے طور پر جو مال خرچ کرو تو
 وہ تمہارے ماں باپ کا حق ہے اور قریب کے رشتہ داروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں
 کا اور مسافروں کا اور تم جو کوئی بھی بھلائی کرو گے اس سے اللہ واقف ہے۔ عَنِ ابْنِ
 عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيْسَ
 الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَشْبَعُ وَجَارِحُهُ جَائِعٌ يَعْنِي حَضْرَتِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ سِي رَوٰتِ
 ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص خود میر ہو کر کھانا کھائے
 اور اس کا بڑوسی بھوکا رہے تو وہ کامل مؤمن مسلمان نہیں عَنِ عَائِشَةَ وَ ابْنِ عَمْرٍ
 عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ مَا زَالَ جِبْرِئِيْلُ يُؤْمِنِي
 بِالْجَارِحَةِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهُ سُبُوْرَةٌ يَعْنِي حَضْرَتِ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا

اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ریشل مجھے ہمیشہ تاکید کرتے رہے کہ میں اپنی امت کو حق ہمسایہ کی رعایت کا حکم دوں یہاں تک کہ مجھے گمان ہو کہ وہ ہمسایہ کو وارث بنا دیں گے۔

عَنْ عَوْنِ ابْنِ أَبِي جَعْفَةَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ أَخِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ سَلْمَانَ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ فَرَأَى أُمَّ الدَّرْدَاءِ مُبْتَدِلَةً فَقَالَ لَهَا مَا سَأَأْتِكِ قَالَتْ أَخَوَاكِ أَبُو الدَّرْدَاءِ لَيْسَ لَهُ حَاجَةٌ فِي الدُّنْيَا فِجَاءَ أَبُو الدَّرْدَاءِ فَضَعَّ لَهُ طَعَامًا فَقَالَ كُلْ فَإِنِّي صَائِمٌ قَالَ مَا أَنَا بِأَكْلٍ حَتَّى تَأْكُلِ فَأَكَلَا فَلَمَّا كَانَ اللَّيْلُ ذَهَبَ أَبُو الدَّرْدَاءِ يَقُومُ فَقَالَ نَمُ فَنَاهُ تَمَّ ذَهَبَ يَقُومُ فَقَالَ نَمُ فَلَمَّا كَانَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ قَالَ سَلْمَانُ فَمَ الْآنَ فَضَلِّيَا فَقَالَ لَهُ سَلْمَانُ إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلَا أَهْلَكَ عَلَيْكَ حَقًّا فَأَعْطَ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَاتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ سَلْمَانُ (يعني اچھی)

کے فرزند عون اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمانؓ اور ابو الدرداءؓ میں بھائی چارہ کر دیا تو سلمانؓ نے ابو الدرداءؓ کی بیوی ام الدرداءؓ کو سیلی کھلی حالت میں دیکھ کر کہا تمہارا کیا حال ہے؟ انھوں نے جواب دیا سلمانؓ تمہارا بھائی ابو الدرداءؓ کو دنیا سے کچھ مطلب و غرض نہیں۔ اتنے میں ابو الدرداءؓ آگے اور انہوں نے سلمانؓ کے لئے کھانا تیار کروایا (کھانا تیار ہو چکا) تو سلمانؓ سے کہا بھائی! تم کھانا کھا لو میں تو روزے سے ہوں۔ سلمانؓ بولے جب تک تم نہ کھاؤ گے میں بھی کھانے والا نہیں۔ چنانچہ ابو الدرداءؓ نے روزہ توڑ دیا اور سلمانؓ کے ساتھ کھانا کھایا۔ رات ہوئی تو ابو الدرداءؓ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ سلمانؓ نے کہا بھائی! ابھی سو رہو۔ وہ سو گئے (اور) پھر تھوڑی دیر کے بعد اٹھنے لگے تو سلمانؓ نے کہا ابھی سو رہو۔ جب پھلی رات ہوئی تو سلمانؓ

نے کہا اب اٹھ کر نماز پڑھو۔ چنانچہ دونوں نے نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد مسلمان نے ابوالدرداء سے کہا کہ بھائی تمہارے پروردگار کا تم پر حق ہے۔ تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ پس حقدار کو اس کا حق دینا چاہئے صبح کو ابوالدرداء بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ آپ کو کہہ سنایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان نے بالکل درست کہا۔

صاحبو! اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا پر غور کرو۔ کیا تم خود کشتی کر سکتے ہو؟ کیا من برت رکھ سکتے یا بھوک ہڑتال کر سکتے ہو؟ نہیں ہرگز نہیں۔ ہم تو کسی کو نہیں ستاتے! اپنی جان سے گزر جاتے ہیں؟ پر یہ جان تمہاری ہے کہاں؟ یہ تو فَنَحْنُ فِيْهِ مِنْ رُّوحِيْ (حجر-۲۹) ہم تم اور دنیا میں جتنے لوگ ہیں، سب خدا کی ملک ہیں۔ بغیر اس کی اجازت کے کوئی تصرف نہیں کر سکتے۔

حسرت کے پاس کیا دھرا ہے

اک جان سودہ بھی ہے پرائی (حسرت صدیقی)
ذرا غور کرو۔ بچوں کے پاس کھلونے ہوتے ہیں۔ کوئی ان کے کھلونے کو توڑ ڈالے تو کس قدر ناخوش ہوتے ہیں۔ تم ہم سب خدا کے کھلونے ہیں۔ ان کو بے سمجھی سے ضائع نہیں کر سکتے۔

کھلونا سمجھ کر بگاڑو نہ ہم کو

کہ ہم بھی کسی کے بنائے ہوئے ہیں

اب میں اس خصوص میں چند آیتیں اور حدیثیں بیان کر رہا ہوں جن سے مضمون بالا

کی تائید ہوتی ہے۔

قرآن شریف میں ہے وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ الْاِلٰہِ الْحَيِّ

(الانعام - ۱۵۱) یعنی کسی نفس کو جس کو اللہ نے حرام کیا ہے، باصرت بنایا ہے۔ ناحق قتل نہ کرو۔ لہذا کسی کو ناحق ناروا قتل نہیں کر سکتے۔ نہ اپنے آپ کو نہ دوسرے کو

حدیث شریف میں آیا ہے۔ عَنْ بَهْرَ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَدِّدَةَ قَالَ
 قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ أَبْرُّ قَالَ أُمَّكَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ أُمَّكَ
 قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ أُمَّكَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ أَبَاكَ ثُمَّ الْأَقْرَبُ فَأَلْقَابُ

(ترمذی) یعنی بہز بن حکیم اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے
 عرض کیا یا رسول اللہ میں کس کے ساتھ سلوک کروں؟ فرمایا اپنی ماں کے ساتھ۔ میں نے
 عرض کیا پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنی ماں کے ساتھ۔ میں نے عرض کیا پھر کس کے ساتھ؟
 فرمایا اپنی ماں کے ساتھ۔ میں نے عرض کیا پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنے باپ کے ساتھ۔
 پھر جو زیادہ قریب ہو اس کے ساتھ سلوک کرو۔ پھر جو قریب تر ہو۔ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ
 أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ قَدِمْتُ عَلَىٰ أُمِّي وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِي عَهْدِ قُرَيْشٍ فَقُلْتُ
 يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أُمَّي قَدِمَتْ عَلَيَّ وَهِيَ زَاعِبَةٌ (عَنِ الْإِسْلَامِ)

أَفَاصِلُهُمَا قَالَ نَعَمْ صَلِيَّتُهُمَا عِنِّي اسما، بنت ابوبکر تھی ہیں کہ جس زمانہ میں آنحضرت
 اور قریش میں عہد تھا (حدیبیہ کے موقعہ پر صلح ہو چکی تھی) میری ماں میرے پاس آئی اور
 وہ مشرک تھی۔ میں نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری ماں میرے
 پاس آئی ہے اور اس کو ابھی تک اسلام کی طرف رغبت نہیں تو کیا میں اس کے ساتھ

کچھ سلوک کروں۔ فرمایا ہاں! اس سے سلوک کرو۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ
 اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَخِيْرٌ كَمْ حَيْرٌ كُمْ لِأَهْلِهِ وَإِنَّا خَيْرٌ كُمْ لِأَهْلِي وَإِذَا مَاتَ
 صَاحِبُكُمْ فَدَعُوهُ (ترمذی) یعنی ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں
 کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں خدا اور مخلوق کے نزدیک وہ بہت
 بہتر ہے جو اپنے اہل کے حق میں بہتر ثابت ہو اور میں اپنے اہل کے لئے تم سے بہت بہتر ہوں اور
 تمہارا کوئی دوست مرجائے تو اس کو چھوڑ دو اس کے عیب ظاہر مت کرو۔ ع

خَارِ پیراہن مشوا سودگانِ خاک را

(مٹی میں آرام کرنے والوں کے لباس کا کائنات بنو۔)

عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْكَلْبِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يَوْمًا بِاللَّهِ فَإِلْيَوْمٍ الْآخِرِ فَلِكُمْ ضَيْفَةٌ وَجَائِزَةٌ يَوْمَ وَلَيْلَةٍ وَالضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ فَمَا بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَتَوَى عِنْدَهُ حَتَّى يُخْرِجَهُ (صحیحین) یعنی ابو شریح کبھی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص خدا اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے بہان کی توقیر کرنی چاہئے۔ اس کے ساتھ لطف و احسان اور تکلف کرنے کا زمانہ صرف ایک دن اور ایک رات ہے اور معمولی بہمانی کاتین دن ہے۔ اور اس کے بعد بہمان کے ساتھ جو سلوک کیا جائے وہ صدقہ ہے، خیرات ہے۔ بہمان کو میزبان کے پاس اتنا ٹھہرنا جائز نہیں کہ وہ تنگ ہو جائے۔

قرآن میں ہے **وَيُؤْتِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ**۔

(الحشر - آیت ۹) یعنی اور ترجیح دیتے ہیں اپنے آپ پر (خود نہیں کھاتے بلکہ دوسروں کو کھلاتے ہیں) خواہ اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے **عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى "وَيُؤْتِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ" أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ بَاتَ بِهِ ضَيْفٌ وَلَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ إِلَّا قَوْتُهُ وَقَوْتُ صَبْيَانِهِ فَقَالَ لِامْرَأَتِهِ نُؤْمِي الصَّيَّةَ وَأَطِئِي السِّرَاجَ وَقَرِّي لِلضَّيْفِ مَا عِنْدَكَ فَنَزَلَتْ الْآيَةُ (ترمذی) یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے **يُؤْتِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ** کے بارے میں روایت ہے کہ ایک انصاری کے ہاں ایک بہمان شبِ بائش ہوا اور انصاری کے پاس اس کی اور اس کے بچوں کی خوراک کے سوا کچھ نہ تھا۔ پس اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ بچوں کو سلا دو اور چراغ نکل کر دو اور تمہارے پاس جو حاضر ہے بہمان کے سامنے رکھ دو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔**

صاحبو! اب میں ایثارِ نفس کا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔ آنحضرت کے زمانے میں چند صحابی زخمی ہو گئے تھے اور ان کی حالت سکران کی تھی۔ ایک صاحب نے پانی

مانگا۔ پانی دینے کے لئے ایک صاحب بڑھے۔ اسی وقت ایک دوسرے صحابی نے بھی پانی مانگا۔ جو صاحب زخمی تھے انہوں نے کہا کہ ان کو پانی دو جو اب مانگا رہے ہیں۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے کئی صاحبوں کے سامنے پانی پیش کیا گیا اور انہوں نے دوسرے صاحب کو دینے کے لئے اشارہ کیا۔ حتیٰ کہ وہ دور پہلے مانگنے والے صاحب پر ختم ہوا۔ جا کر دیکھا تو وہ ٹھنڈے ہو چکے تھے۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے دوسرے صاحبوں کے پاس پہنچے مگر وہ سب کے سب راہی جنت ہو چکے تھے۔

صاحبو! اسلام کا ایک اور اہم تر بنیادی اصول اعتدال ہے۔

(۶) اعتدال

اعتدال

ذرا غور کرو۔ پارہ ۹۸ ۱/۲ پر رہنا چاہئے۔ زیادہ حرارت ہو تو بخار ہے اور

موت۔ کم ہو تو ضعف ہے اور موت۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَاقِمْوَا**

الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ (الرحمن - ۹) یعنی توازن قائم رکھو

اور میزان (توازن، بیلنس) میں نقصان نہ کرو۔ اسے خسارہ میں نہ پڑنے دو۔ ہر چیز

اعتدال پر ہے قرآن میں ہے **لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ (البقرہ - ۲۷۹)**

یعنی نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ دوسروں کو خود پر ظلم کرنے دو۔ اور ایک جگہ ہے **وَآت**

ذَٰلِ الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تَبْذُرُوا آيَاتِنَا

الْمُبْذُرِينَ كَالْوَالِدِينَ الْمُبْذُرِينَ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا (بنی اسرائیل - ۲۷)

یعنی (لے پیغمبر) قربت دار، رشتہ دار اور غریب اور مسافر ہر ایک کو اس کا حق پہنچاتے رہو

اور دولت کو بیجا مت اڑاؤ، اسراف مت کرو۔ کیوں کہ اسراف کرنے والے شیطانوں

کے بھائی ہیں۔ اور شیطان تو اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکر ہے۔ اللہ فرماتا ہے: **وَلَا**

تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا

مَحْسُورًا (بنی اسرائیل - ۲۹) یعنی اپنا ہاتھ نہ تو اتنا سیرٹو کہ گویا گردن سے بندھا ہوا ہے

اور نہ بالکل پھیلا ہی دو۔ ایسا کر دے تو تم ایسے بیٹھے رہ جاؤ گے کہ لوگ تم کو ملامت بھی کریں گے اور تم خالی ہاتھ تہی دست بھی ہو جاؤ گے۔ کَلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ (الاعراف-۳۱) یعنی کھاؤ پیو اور فضول خرچیاں نہ کرو اسراف کرو کیوں کہ اللہ یقیناً اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

حدیث شریف میں ہے: عَنْ أَنَسٍ قَالَ جَاءَ ثَلَاثَةٌ سَهَطُوا إِلَىٰ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرُوا بِهَا كَمَا نَهَمُوا تَقَاتُوهَا فَقَالُوا أَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ غَفَرَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ فَقَالَ أَحَدُهُمْ أَمَا أَنَا فَاصْطَلِيَ اللَّيْلَ أَبَدًا وَقَالَ الْآخَرُ أَنَا صَوْمُ النَّهَارِ أَبَدًا وَلَا أَفْطِرُ وَقَالَ الْآخَرُ أَنَا عَتَزَلُ النِّسَاءِ فَلَا أَتَزَوَّجُ أَبَدًا فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ أَنْتُمْ الَّذِينَ قَلْتُمْ كَذَا وَكَذَا أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتَقُّكُمْ لَهُ لَكِنِّي أَصُومُ وَأَفْطِرُ وَأَصَلِّي وَأَرْقُدُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ مَرَّ غَيْبٌ عَنِّي سَنَنْتِي فَلَيْسَ مِنِّي (بخاری- مسلم- مشکوٰۃ) یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین اصحاب ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے وہ نبی کریم کی عبادت کے متعلق سوالات کرتے تھے۔ جب حضرت کی عبادت کی ان کو خبر دی گئی تو گویا کہ انہوں نے اس کو بہت کم سمجھا۔ پھر ان لوگوں نے کہا ہم کہاں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہاں؟ جالیکہ اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے ممکن گناہ چھپا دیے ہیں (اور اب وہ نہ حضرت ہی تک پہنچ سکتے ہیں اور نہ گناہ کا ہونا ممکن ہے) پس ان میں سے ایک نے کہا میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کرتا اور ایک دوسرے نے کہا میں ہمیشہ دن کو روزے رکھوں گا اور کبھی افطار نہ کروں گا یعنی میں صائم اللہ رموں گا۔ اور ایک دوسرے نے کہا میں عورتوں سے ہمیشہ کنسارہ کش رہوں گا۔ پس کبھی شادی نہ کروں گا۔ پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس

تشریف لائے اور فرمایا تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے ایسا ایسا کہا تھا۔ ہاں قسم بہ خدا میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سے زیادہ متقی ہوں مگر روزہ بھی رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں۔ پس جو میری سنت اور میری چال سے اعراض کرے وہ میرے لوگوں میں سے نہیں۔

قرآن شریف میں ہے **وَلِلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوا لَهُمْ أَوْ وَزَنُوا لَهُمْ يُخْسِرُونَ ۝ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝** (المطففين ۶ تا ۱۰) یعنی افسوس ہے بد معاملہ لوگوں پر جو لوگوں سے ناپ تول کر لیں تو پورا پورائیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں۔ کیا ان کو اس بات کا خیال نہیں کہ وہ بڑے دن (بروز قیامت) قبروں میں سے اٹھائے جائیں گے۔ جس دن رب العالمین کے دربار میں سب لوگوں کو جاننا ہے (اور حساب دینا ہے)

صاحبو! اکثر تجارت میں یہ ہوتا ہے کہ لیتے ہیں تو کسر کرا کر لیتے ہیں اور دیتے ہیں تو ڈنڈی مار کر دیتے ہیں۔ مگر یہ حکم کچھ تجارت ہی سے خاص نہیں۔ تمہارے تمام معاملات

ترازو کے تول ہوں! نہ زیادہ لا ضرر ولا ضرار نہ دو سروں کو ضرر دو نہ خود ضرر اٹھاؤ۔ حدیث شریف میں ہے۔ **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ**

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَصْحَابِ الْكَيْلِ وَالْمِيزَانِ إِنَّكُمْ وَلِيْتُمْ أَمْثَلِينَ هَلَكْتَ فِيهِمَا الْأُمَّمُ السَّابِقَةُ (ترمذی) یعنی حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپنے اور تولنے والوں سے فرمایا کہ تم لوگوں کے قبضہ میں ایسی دو چیزیں دی گئی ہیں کہ جن کی وجہ سے پہلی امتیں برباد ہو گئیں۔

قرآن شریف میں ہے۔ **وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَن تَعْتَدُوا ۚ وَمَآ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبُرِّ وَالْتَقَوْا ۚ**

عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝
 (المائدہ - ۲) یعنی مسلمانو! بعض لوگوں نے تم کو حرمت و عزت والی مسجد (خانہ کعبہ) میں جانے سے روکا تھا، یہ عداوت تم کو ان پر کسی طرح کی زیادتی کرنے کی باعث نہ ہو اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار ہو جایا کرو اور گناہ و زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار مت بنو اور اللہ کے غضب سے ڈرو کیوں کہ اللہ کا غضب بہت ہی سخت ہے۔ اور ایک جگہ ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاَنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذُنُوبِكُمْ
 وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (المائدہ - ۸) یعنی ایسا نہ کرو! اے مسلمانو! خدا واسطے انصاف کے ساتھ گواہی دینے آمادہ رہو اور لوگوں کی عداوت تم کو اس جرم کے ارتکاب کا باعث نہ ہو کہ معاملات میں انصاف نہ کرو (نہیں ہر حال میں انصاف کرو کہ شیوہ) انصاف پرہیزگاری سے قریب تر ہے اور اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اللہ یقیناً باخبر ہے۔

صاحبو! ایک اور اسلام کا بنیادی اصول احترامِ ذی حیات ہے۔

(۷) احترامِ ذی حیات

احترامِ ذی حیات | انسان خود اپنے بلکہ خدائے تعالیٰ کے متعلق بھی سچے کہ صفات میں کوئی صفت سب سے زیادہ مقدم ہے؟

حیاتِ احیات ہے تو علم بھی ہے اور قدرت بھی حیات نہ ہو تو نہ علم ہے نہ قدرت اللہ تعالیٰ کے اسماء میں "حیی" - قیوم" اسمِ اعظم کا مرتبہ رکھتے ہیں۔

دیکھو! دنیا میں سب سے زیادہ کوشش اپنی جان بچانے کے لئے ہی ہوتی ہے۔

قرآن شریف میں ہے وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ (الانعام - ۱۵۱)

یعنی ناحق ناروا تم کسی ایسی جان کو قتل نہ کرو جس کو اللہ نے حرام کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ناحق کسی کو قتل نہیں کر سکتے۔ سمجھے؟ آپ خیال کرتے ہوں گے کہ دوسروں کو قتل کرنے کی ممانعت ہے؟ تمہاری جان بھی النَّفْسُ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ فِي شِرْكِكُمْ ہے۔ اسی واسطے ہم نے اس سے پہلے بیان کیا ہے کہ خودکشی حرام ہے۔ بھوک بڑھنا بھی اس میں شامل ہے۔ خودکشی بھی اس میں داخل ہے۔ وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ (التکویر ۸-۹) یعنی جب زندہ درگور لڑکی سے سوال کیا جائے گا کہ تو کس گناہ میں مار ڈالی گئی؟ علماء کے پاس تو حل ساقط کرنا بھی اسی حکم کے تحت ہے۔ اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ لڑنے والوں کی عورتوں کو، بچوں کو، بوڑھوں کو یا راہبوں کو قتل کیا جائے اسلام حکم دیتا ہے۔ وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَاجْرَهُ (التوبہ) یعنی اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو تم اس کو پناہ دو۔ اور وَإِنْ جَحَّوْا لِّلسَّلَامِ فَاجْتَنِحْ لَهَا (الانفال ۶۱) یعنی اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو۔ اگر غیر مسلم قوم مسلم قوم کے ساتھ ہو کر دشمنوں سے لڑے تو جو حقوق مسلمانوں کے ہیں وہی ان کے بھی حقوق ہوں گے۔ اور اگر مسلمانوں کے ساتھ ہو کر دشمنوں سے نہ لڑیں اور ان کی پناہ میں رہنا چاہیں تو ان کو جزائے حفاظت دینی پڑے گی جس کا نام ہے "جزیرہ"۔ اگر موقع کی دشواری کی وجہ سے مسلمان ذمیوں کی حفاظت نہ کر سکیں تو جزائے حفاظت یعنی جزیرہ واپس کرنا پڑے گا جیسا کہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے ایسے موقع پر ذمیوں سے لیا ہوا جزیرہ واپس کر دیا تھا۔ جزیرہ کے مختلف نام ہیں۔ ان میں سے ایک نام وارفتہ بھی ہے۔

صاحبو! یہ ہے جزیرہ کی حقیقت جس کو غیر مسلموں نے جزیرہ لینے کی وجہ سے مسلمانوں کو بدنام کر رکھا تھا۔ ابتدائے اسلام میں ہر مسلمان حکمی طور پر فوج میں بھرتی ہونے پر مجبور ہوتا تھا۔ اس لئے ان سے جزیرہ نہیں لیا جاتا تھا۔ کیا اس زمانے میں جو لوگ لڑائی میں شریک ہوں ان سے حق حفاظت یا وارفتہ نہیں لیا جاتا؟ قرآن شریف میں ہے۔ حَتَّىٰ يُعْطُوا

الْجَزِيَّةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صِغْرًا وَنَ (التوبة - ۲۹) یعنی یہاں تک کہ وہ عاجز ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں۔ حدیث میں ہے۔ فَإِنِ الْوَأْأَنَ يَخْرُؤُوا مِنْهَا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِينَ يُجْرَى عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللَّهِ الَّذِي جُرِيَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَكُونُ لَهُمْ فِي الْغَنِيمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يُجَاهِدُوا مَعَ الْمُسْلِمِينَ فَإِنِ هُمْ أَبَوْا فَسَلِّمُوا الْجَزِيَّةَ فَإِنِ هُمْ أَجَابُواكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ (مسلم)

یعنی پس اگر انکار کریں کہ اپنے مقام سے ذرا اسلام میں ہجرت کریں تو ان سے کہہ دو کہ وہ مسلمان بددیوبوں کے جیسے ہو جائیں گے اور ان پر وہی احکام جاری ہو جائیں گے جو مسلمانوں پر جاری ہوتے ہیں اور انہیں فے اور مال غنیمت میں سے کوئی حصہ نہ ملے گا مگر یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ہو کر مخالفین سے جنگ کریں۔ پھر اگر وہ اس کو بھی نہ مانیں تو ان سے جزائے حفاظت طلب کرو۔ پس اگر وہ تمہاری خواہش کو قبول کریں تو تم ان کی درخواست قبول کرو اور ان سے جنگ کرنے سے ہاتھ روکو۔

صاحبو! ایک اور بنیادی اصول اسلام تقسیم دولت ہے۔

تقسیم دولت

تقسیم دولت

قرآن شریف میں ہے۔ اِمَّا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمَوْلَاةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (التوبة - ۶۰) یعنی صرف صدقات محض فقروں اور مسکینوں کے لئے ہے۔ نیز کارکنوں کے لئے جو صدقات کا انتظام کرتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جن کی تالیف قلوب ضروری ہے اور گردنوں کی آزادی (قیدیوں کے چھڑانے میں) اور قرضداروں کے قرض کی ادائیگی میں اور مسافروں کے لئے۔ یہ اللہ کا فرض ٹھہرایا ہوا ہے

اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اور ایک جگہ ہے۔ **وَأَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَتِرْجُونَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُورَ** (فاطر - ۲۹) یعنی جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے چھپا کر اور کھلے طور پر (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں۔ بیشک وہ لیے بیوپاری کی آس لگائے بیٹھے ہیں جس میں کبھی گھانا ہو ہی نہیں سکتا۔ ایک اور جگہ ہے۔ **وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَىٰ وَالْمُسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ عَفْوٌ رَّحِيمٌ** (النور - ۲۲) یعنی تم میں سے جو بزرگ مش اور صاحبِ مقدور ہیں، قرابت والوں اور محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو (مدد خرچ) نہ دینے کی قسم نہ کھائیں بلکہ (چلے کہ) ان کے (قصور) بخش دیں اور درگزر کریں (مسلمانو!) کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ایک اور جگہ ہے۔ **لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أَحْصَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ الْمَخَافَةَ وَمَا تَنْفَعُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ** (البقرہ - ۲۷۳) یعنی خیرات ان فقروں کا حق ہے جو راہِ خدا میں محصور ہیں اللہ واسطے روک دیے گئے ہیں، کہیں جا نہیں سکتے نادان ان کو نہ مانگنے کی وجہ سے غنی سمجھتا ہے۔ مگر تم ان کی صورت سے ان کے حال سے واقف ہو اور وہ بہت چمٹ کر لوگوں سے نہیں مانگتے۔ اور تم جو خیرات کرو بیشک اللہ کو اس کا علم ہے۔

صاحبو! اسلام میں آدمی کے مرتے ہی تمام مال منقولہ وغیر منقولہ قرابتداروں میں تقسیم ہو جاتا ہے (یہ مقام علمِ فرائض بیان کرنے کا نہیں ہے۔ اس کی تفصیل پورے قرآن شریف اور علمِ فرائض کی کتابوں میں ملتی ہے) لیکن وہیں خدائے تعالیٰ نے یہ بھی فرمادیا کہ **مَنْ بَعْدَ وَصِيَّةٍ يُوصَوْنَ بِهَا أَوْ دِينٍ** (النساء - ۱۲) یعنی میراث

سے پہلے وصیت اور ادائے قرض کا مرتبہ ہے۔ یہ وصیت کس کو کی جائے گی؟ ان قرابتداروں کو جو ورثہ سے محروم ہیں، جیسے بیٹوں کے رہتے پوتے نو اسے اور دیگر متحققین جن کا مورث زیر بار احسان تھا اور دیگر قومی مذہبی کاموں کے لئے اسلام میں کچھ مال قانونی طور سے غریبوں کو دیا جاتا ہے اور کچھ اخلاقی طور سے۔ زکوٰۃ قانونی طور سے غریبوں کو دی جاتی ہے، اس کے متعلق آیتیں گذریں۔ ہمسایوں کو دینا اور ان کی خبر گیری کرتے رہنا یہ اخلاقی فرض ہے۔ عید الفطر آئی اور غریبوں کو فطرہ دینا لازم ہو گیا۔ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ فَدْيَةً طَعَامٌ مِّسْكِينٍ (البقرہ - ۱۸۴) یعنی جن کو خدانے دینے کی قوت عطا کی ہے ان پر صدقہ فطر کا دینا واجب ہے۔ دیکھو! تم نے اپنی عید منائی، شیر خرما اڑایا، خوب کھایا پیا۔ غریبوں کو بھی فطرہ دو کہ کچھ کھاپی کر شریک عید ہوں۔

صاحبو! ساڑھے تیرہ سو سال ہونے کو آئے، اسلام میں سرمایہ داری اور اشتراکیت کا جھگڑا پیدا نہیں ہوا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ نظام اسلام ایسا واقعہ ہے کہ اس میں غریبوں کی اتنی امداد کی جاتی ہے کہ اشتراکیت والوں پر سرمایہ داروں کے ظلم کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ اسلام کا اصول ہے کہ تم کمانے میں آزاد ہو لکھتی بن جاؤ۔ کر ڈرتی ہو جاؤ۔ مگر غریبوں کا بھی خیال رکھو۔ ان کی پرورش سے بے پروائی مت کرو۔ ابھی ہم نے بیان کیا ہے کہ اسلام میں مال ایک جگہ نہیں رہ سکتا بلکہ عامۃ الناس میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو تم بھی جو اور دوسروں کو بھی جینے دو۔ یہی انسانیت ہے۔

درد دل، پاس وفاق، جذبہ ایماں ہونا

آدمیت ہے یہی اور یہی انسان ہونا

صاحبو! اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمانیت سے تمام چیزوں کو پیدا کیا۔ چاندی، سونا،

تانبا، لوہا، جمادات، نباتات، حیوانات سب کو پیدا کیا اور اپنی رحیمیت کی شان سے تمام

چیزوں سے مستفید ہونے کا موقع دیا۔ مگر یہ بات ظاہر ہے کہ ع

خدا بیچ انگشت یکساں نکر د

خدا نے پانچوں انگلیاں یکساں نہیں بنائی ہیں۔ کوئی تیز موٹا ہے تو کوئی سبک سبز۔ کوئی قوی ہے تو کوئی ضعیف۔ کوئی چست و چالاک ہے اور کوئی سست۔ ہوشیاروں نے زیادہ چیزوں پر قبضہ کر لیا۔ نادان، ناتجربہ کار، آرام طلب، بیمار تو منہ دیکھتے رہ گئے۔ اس طرح لوگوں نے سرمایہ جمع کر لیا۔ اپنی دولت کی وجہ سے سست اور بلید لوگوں کو کچھ دے دلا کر ماہویاں مقرر کر کے، اجرت کا تعین کر کے دوسروں کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنا لیا۔ صاحب عقل و فہم نہ صرف حیوانات پر حکومت کرنے لگے بلکہ جاہل اور کاہل انسانوں پر بھی حکمرانی کرنی شروع کر دی۔ بڑی سختیاں اٹھا کر، خراب کھا کر معمولی کپڑے پہن کر دولت جمع کی۔ ان کا مقولہ ہے گوشت کو اپنا گوشت سمجھو۔ یہ لوگ جو کچھ صرف کرتے ہیں اس کو جس نقصان میں لکھتے ہیں۔ ان کا کھانا پینا بنہ کھاتہ میں درج ہوتا ہے۔ لوگوں کو قرض دیتے ہیں اور سود در سود لگا کر ان کی جائیدادوں پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ مزارعین سے چونکہ الگ کام لینا ہوتا ہے اس لئے انہیں صرف اتنا دیتے ہیں کہ قوتِ لامیت پر ان کی زندگی ہو۔ جب سے مشنری ایجاد ہوئی ہے، کلیں نکلیں ہیں، تنو آدمی کا کام دس آدمی کر لیتے ہیں اور نوے بیکار، بیروزگار ہوجاتے ہیں۔ بیکاری کا نتیجہ بھوک، مفلسی، پریشانی، آخریہ پریشانی اس طرح ختم کی جاتی ہے کہ یہ بھوکے، مفلس، نادار متفق ہوجاتے ہیں۔ ان کے زباں زد ہوتا ہے کہ بھوکے مرنے سے، ایریاں رگڑ رگڑ کر جان دینے سے لڑ لڑا کر مرنا بہتر ہے۔ سرمایہ دار خیال کرتے تھے کہ ”دولت“ قوت ہے۔ اور یہ بھوکے، فاقوں سے مرنے والے مزدور ”گتت“ کو قوت سمجھتے ہیں۔ مزدوروں اور سرمایہ داروں میں کشمکش ہوتی ہے، مزدور سرمایہ داروں پر حملہ کرتے ہیں اور ان کو مارنا کوٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ سرمایہ دار بھی ان ہی غریبوں میں سے چند کو نوکر رکھ کر ان کا کلمہ بہ کلمہ جواب دیتے ہیں مگر کب تک؟ یہ بھاڑے کے سپاہی آخر کار ان مفلسوں کے ساتھ ہوجاتے ہیں اور سرمایہ داروں کو شکستِ فاش ہوجاتی ہے۔ لیکن ان کے زمانے میں ٹکے سیر بھاجی ٹکے سیر کھا ہوجاتا ہے۔ مگر یہ زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہتا۔ پھر ان ہی میں سے چند چست و چالاک، عقلمند، ہوشیار، ان پر حکومت کرنا شروع کر دیتے ہیں، اور پھر سے سرمایہ داری

شروع ہوجاتی ہے۔ اشتراکیت میں کیا ہوتا ہے؟ گھر سرکار کا، کپڑے سرکار کے، بیوی سرکار کی، بچے سرکار کے، ذاتی ملک ندارد۔

صاحبو! مجھے ذرا یہ بتاؤ کہ غلامی کس کا نام ہے؟ بے اختیاری، کسی ذاتی چیز کا نہ رکھنا، غلامی نہیں تو کیا ہے؟ پہلے چند غلام ہوتے تھے۔ اب قوم کی قوم غلام ہے۔ چند حاکم تو ذاتی رائے رکھتے ہیں۔ جس نے ان کی رائے کا خلاف کیا اور اپنی رائے ظاہر کی تو گوئی ماردی گئی۔ ظلم سے روکنے والی چیز مذہب اور خدا کا ڈر ہے۔ لوگ مذہب کے خیال کو پاس پھینکنے نہیں دیتے۔ مظالم کا ایک سلسلہ ہے کہ بندھا ہوا ہے۔ پھر اشتراکیت کہاں ہے؟ زمانہ گردش کرتا ہے۔ کبھی سرمایہ داری ہے تو کبھی اشتراکیت۔ پھر کبھی اشتراکیت ہے تو کبھی سرمایہ داری۔ تِلْكَ الْآيَاتُ نَدَّأُولَٰهَا بَيِّنَاتٌ لِّلنَّاسِ (ال عمران - ۱۳۰) یعنی ہم انہی دن رات کو لوگوں میں الٹ پھیر کرتے ہیں۔ غرض اگر کوئی اعتدالی نظام ہے تو وہ اسلام ہے اور صرف اسلام۔ صاحبو! اسلام کا ایک اور بنیادی اصول امن برقرار رکھنا اور فساد نہ کرنا بھی ہے۔

(۹) قیام امن

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ فِیْسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ (الانعام - ۱۰۹) یعنی جو خدا کو چھوڑ کر ماسوا اللہ کو پکارتے ہیں، ملتے ہیں، ان کے دیوتاؤں کو بھی گالی مت دو کہ وہ کہیں پلٹ کر بے سبھی سے خدا کو گالیاں دینا شروع نہ کریں۔

صاحبو! مسلمان تو اللہ اور اس کے ان تمام پیغمبروں کو مانتا ہے جن کا ذکر قرآن شریف اور حدیث میں موجود ہے کیوں کہ ذرا علم یعنی ہے اور جو لوگ اسلام سے پہلے گذرے ہیں ان کی نسبت مسلمان اتنا سمجھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ وہ پیغمبر ہوں۔ ان کے متعلق ہم کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (فاطر - ۲۳) یعنی کوئی قوم نہیں ہے

مگر یہ کہ اس میں نذیر (پیغمبر) نہ گذرا ہو۔ اور ایک جگہ ہے۔ **وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (الرعد)** یعنی ہر قوم کے لئے ایک ہدایت کرنے والا ہوا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ ہر گروہ میں ایک نہ ایک پیغمبر ضرور بھیجا گیا ہے۔ البتہ جن کا پیغمبر ہونا ہمارے پاس یعنی ذریعہ سے ثابت نہیں ہوا ان کے متعلق ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ پیغمبر ہوں، ہادی قوم ہوں۔ لہذا شری راہ رام چندر جی، شری کرشن جی اور شری گوتم بدھ بھی ممکن ہے کہ پیغمبر ہوں۔ اس واسطے ان کے لئے بھی ہم کوئی نامناسب لفظ منہ سے نہیں نکال سکتے۔

یہ بات یاد رکھو کہ جو نہ ماننے والا ہے وہی اختلاف کرتا ہے اور جو سب کو ماننے والا ہے، وہ کسی سے اختلاف نہیں کرتا اور نہ کسی کی بدگوئی ہی کرتا ہے۔ اے عیسیٰ روح اللہ کے ماننے والو! ان کا فرمان واجب الاذعان تو یہ تھا کہ اگر کوئی تمہارے زخار پر ایک ٹانخہ مار دے تو دوسرا زخار بھی اس کے سامنے پیش کر دو کہ وہ اپنے دل کی بھراس نکال لے۔ مگر روح اللہ کے اس فرمان کی تعمیل کیا تم نے اس طرح کی کہ اپنے مخالف جانداروں کو بے روح کر دیا بلا لحاظ اس کے کہ عورت ہو یا مرد، بچہ ہو یا بوڑھا سب کے لئے ایٹیم بم، ہائیڈروجن بم اور شعاع الموت سے کام لیا اور ان سب کو نذر آتش کر دیا۔ روح اللہ کے ان تمام احکام کو ماننا مذہبی عیسائیوں کا کام ہے۔ ہم تو قومی عیسائی ہیں جو ہم سے مخالفت کرے ہم اس کو تباہ و تاراج کر دیں گے، تہ فاک کر دیں گے، اس کا نام نشان مٹا دیں گے۔ خدانے ہم کو عقل دی ہے ہم اس کی ناقدری نہیں کرتے۔ پیغمبروں کی باتوں کو ہم اسی حد تک مانتے ہیں جس حد تک ہماری عقل سلیم انکار نہیں کرتی۔

صاحبو! ایسی قومیں بھی ہیں جو خود کو ابوالقانون اور فوق القانون سمجھتی ہیں۔

پہلے عمل کرتی ہیں پھر قانون بناتی ہیں۔ جب اس قانون پر عمل کرنے کا وقت آتا ہے تو فوراً دوسرا قانون بنا لیتی ہیں۔ غرض ان کے قوانین شرمندہ عمل نہیں ہوتے۔

صاحبو! طریقہ تبلیغ میں بڑی بے احتیاطی برتی جاتی ہے۔ ہم کو حکم ہے۔ **فَقَوْلًا لَهُ قَوْلًا نَسِيًا (طلحہ - ۲۴)** یعنی اے موسیٰ! تم فرعون کو نرمی سے نصیحت کرو

ذرا سوچو! تم اللہ کے پاس موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے زیادہ قابل احترام نہیں ہو۔ اور تمہارا مخاطب فرعون سے بڑھ کر بدتر نہیں ہے۔ ایسے جلیل القدر پیغمبروں کو نرمی سے نصیحت کرنے کا حکم ہے۔ پہلے کے لوگ غیر مسلم کو مسلم بناتے تھے۔ اب مسلم کو غیر مسلم کہہ رہے ہیں! بات بات پر کافر، مشرک، بے دین اور دنیا بھر کے سخت الفاظ میں دیکھو! تھوڑی بہت اجتماعی صورت ہے۔ اس کو بھی تم اس طرح درہم برہم کر رہے ہو۔ نہ عبادت سے نماز ہے نہ کسی مجلس میں اتحاد۔ اور نہ **وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا (آل عمران ۱۰۱)** یعنی اللہ تعالیٰ کی رسی کو جو اسلام ہے منطوط پکڑو اور اس کے ذریعہ سے اپنی حفاظت کرو پر عمل قرآن شریف میں ہے **وَلَا تَقْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا (الاعراف ۵۶)** یعنی لوگو! انتظام مملکت درست ہونے کے بعد فساد نہ پھیلاؤ۔ نیز **فَاذْكُرُوا آيَةَ اللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ فِي الْأَرْضِ مَقْسُودًا (الاعراف ۷۳)** یعنی پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور ملک میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔ اور ایک جگہ ہے **وَلَا تَقْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (الاعراف ۸۵)** یعنی ملک میں اس کا انتظام درست ہوئے پیچھے فساد نہ کرو اگر تم ایماندار ہو۔ یہ (طریق حین معاملات) تمہارے حق میں بہت بہتر ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ اللَّهُ إِدْعَاؤُكُمْ وَلَا تَقْضُوا الْإِيمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا إِنَّ اللَّهَ يُعَلِّمُ مَا تَقْعَلُونَ (النحل ۹۱)** یعنی اور تم اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ عہد کرو۔ اور اپنی قسموں کا خلاف نہ کرو اس کے پختہ ہونے کے بعد بجا لیکہ تم نے اللہ کو ضمان بنا لیا تھا۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو، یقیناً اللہ اس کو جانتا ہے۔

صاحبو! اب ہم وہ اسباب بیان کرتے ہیں جن کے نہ ہونے سے فساد برپا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَالْمَسْرُورَ وَالْإِنْتِصَابَ وَالْأَسْرَ لَا مَرْجِيءَ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ ۝** **إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَيْرِ**

وَالْمَيْسِرِ وَيُصَدِّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ
 (المائدہ ۹۰-۹۱) یعنی مسلمانوں! شراب اور جوا اور بت اور پانسے (ان میں کا ہر
 ایک کام) تو بس ناپاک شیطانی کام ہے پس اس سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ، یقیناً
 شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوسے کی وجہ سے تمہارے آپس میں دشمنی اور بغض
 ڈلوادے اور تم کو یاد الہی سے اور نماز سے باز رکھے تو کیا شیطان کے مکر پر اطلاع پانے
 کے بعد اب بھی تم باز نہ آؤ گے۔ ایک اور جگہ ہے **الَّذِينَ عَاهَدُوا لَكُمْ مِنَ الْمَشْرِكِينَ**
ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوا شَيْئًا وَلَمْ يَظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتُوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ
إِلَىٰ مَدَائِنِهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (التوبة ۳)۔ یعنی ہاں مشرکین میں
 سے جن کے ساتھ تم نے (صلح کا) عہد و پیمانہ کر رکھا تھا پھر انہوں نے (ایکے عہد میں)
 تمہارے ساتھ کسی طرح کی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد کی تو ان کے
 ساتھ جو عہد ہے اسے اس مدت تک جو ان کے ساتھ ٹھہری تھی پورا کرو کیونکہ ان لوگوں
 کو جو بد عہدی سے بچتے ہیں یقیناً اللہ دوست رکھتا ہے چنانچہ ارشاد ہے **وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ**
إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا (نحل - ۹۱) **وَلَا**
تَقْرَبُوا الزَّيْنِيَّ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا (بنی اسرائیل ۳۲)
 یعنی تم عہد شکنی نہ کرو اس کے پختہ ہوجانے کے بعد — اور لوگوں کو زنا کے پاس
 کبھی نہ پھیلنا کیونکہ وہ بے حیائی ہے اور بہت ہی برا چلن ہے اور فرماتا ہے **وَالَّذِينَ**
لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ
إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يُزْنُونَ وَمَنْ يُفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا (الفرقان ۶۸)۔ یعنی
 جو لوگ خدا کے ساتھ کسی دوسرے معبودوں کو نہیں پکارتے اور ناحق ناروا کسی شخص کو
 جان سے نہیں مارتے کہ اس کو خدا نے حرام کر رکھا ہے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔
 اور جو اس طرح کرے گا وہ ضرور اپنے گناہوں کا خمیازہ بھگتے گا۔ اور ایک جگہ ہے۔
وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتَذَلُّوا بِهَا إِلَىٰ الْحُكْمِ لِتَأْكُلُوا

فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِسْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرہ - ۱۸۸) یعنی مسلمانو! آپس میں ناحق ایک دوسرے کے مال خرد برد نہ کرو اور نہ مال کو حاکموں کے پاس (رسانی پیدا کرنے کا) ذریعہ گردانو کہ لوگوں کے مال میں سے جو کچھ ہاتھ لگے اس کو جان بوجھ کر ناحق، محض کر جاؤ۔ اور ارشاد ہے سَمِعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَلُونَ لِلسُّخْتِ فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ عَرِضْ عَنْهُمْ وَإِنْ عَرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَصْرِوْكَ شَيْئًا وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (المائدہ) یعنی جھوٹی باتیں سننے والے حرام کا مال کھلنے والے، اگر وہ تمہارے پاس آئیں تو ان پر انصاف سے احکام دو یا ان سے اعراض کرو۔ اگر تم ان سے اعراض کرو تو وہ تم کو کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکیں گے اور اگر تم ان میں احکام جاری کرو تو انصاف سے احکام جاری کرو۔ بے شک اللہ انصاف پرستوں کو دوست رکھتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَخَذَ يَشْتَرِ مِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا فَإِنَّهُ يُطَوَّقُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَسْرَاطِينَ یعنی زید کے بیٹے سعید روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص باشت بھرزین بھی زور و ظلم سے لے لے گا قیامت کے دن اس قطعہ زمین کو ساتوں زمین میں سے بطور طوق اس کی گردن میں ڈالاجائے گا عَنْ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَدْكُرُوا مُحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوا عَنِّمْ مَسَاوِيَهُمْ یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مردوں کی خوبیاں اور جھلٹائیاں بیان کرو اور ان کی برائیوں سے زبان بند رکھو!

صاحبو! ان آیات و احادیث سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ جھوٹ بولنا حرام ہے رشوت کھانا حرام ہے۔ زنا، چوری اور قتل حرام ہیں۔ دوسرے کی زمین ناجائز طور سے حاصل کرنا بھی حرام ہے۔ لوگوں کی زبان پر ہے کہ فساد کی جڑ تین (سنا) ہیں۔ زڈزن، زمین

ہمارے خیال میں ایک اور ”سنا“ ہے جو ان تینوں زاؤں سے بدتر ہے۔ وہ ”سنا“ زبان کی ہے۔ زبان سے انسان جھوٹ بولتا ہے، غیبت کرتا ہے، نکتہ چینی کرتا ہے۔ دوسرے کو گالی دیتا ہے۔

اب میں گذشتہ امور کی گوئی تفصیل بیان کرتا ہوں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان کو پیکر کر فرمایا کہ تم اس کی ذمہ داری لو تو میں جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ ایک عرب کا قول ہے۔ اِنَّ اللِّسَانَ صَغِيْرٌ جَزِيْمٌ وَّكَبِيْرٌ جَزِيْمٌ دو انگل کی زبان آفت کا مکان۔ دانشمندیوں کا کہنا ہے کہ جو کچھ کہنا چاہتے ہو پہلے اس کو سونے کی چھلنی میں چھانو تاکہ جھوٹ نکل جائے اور سچ رہ جائے۔ پھر چاندی کی چھلنی میں چھانو کہ اس کا کہنا ضرور سچ ہے یا بے فائدہ؟ تاکہ بیکار نکل جائے اور باکار رہ جائے۔ پھر لوہے کی چھلنی میں چھانو کہ کیا تمہارے لئے اس کا کہنا متعین ہو گیا ہے؟ دوسرے کہتے ہیں تو تم کو کیا ضرورت پڑی کہ دخل در معنولات کرو اور محل آفات بنو۔ جو زیادہ بولتا ہے اسی سے زیادہ غلطیاں ہوتی ہیں مَن كَثُرَ لَفْظُهُ كَثُرَ غَلَطُهُ۔ جس کی آمدنی سے زیادہ خرچ ہو وہ چند روز میں مفلس ہو جائے گا۔ خدانے دوکان دیئے ہیں اور ایک زبان تاکہ دو باتیں سنو تو ایک بات کہو۔

صاحبو! تم کو حکم ہے کہ کوئی بدکار تمہارے سامنے کچھ کہے تو تم اس کی تحقیق کرو اسلام میں بے تحقیق بات کرنا درست نہیں۔ ایک بات متواتر طریقہ سے پہنچتی ہے اور ایک بات کے کہنے والے ایک دو آدمی ہوتے ہیں۔ متواتر کے مقابل ایک کے دکنے کی بات آجائے تو ہرگز قابل قبول نہیں خصوصاً جب کہ ان سے مسلمہ بزرگ ہستیوں پر عیب لگتا ہو۔ کسی نے حضرت ابو حنیفہ نعمان بن ثابت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے روایت بیان کی کہ ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ کہے۔ امام نے فرمایا نہیں! پیغمبر معصوم ہوتا ہے۔ اس کی بڑی شان ہوتی ہے۔ بلکہ راوی نے ایک جھوٹ کہا۔ اسی طرح صحابہ کی صحابیت متواتر طور سے ثابت ہے۔ ان پر کوئی جھوٹا الزام لگائے تو ہم ہرگز قبول نہ کریں گے۔

صحابہ کو جو برا کہے وہ خود برا ہے۔ جو ائمہ کو جھوٹا کہے وہ خود جھوٹا ہے، کذاب ہے۔ اس کی مثال فوارے کی ہے کہ ازومی خیزد و برومی ریزد۔ (اس سے نکلتا ہے اور اسی پر گرتا ہے) صاحبو! لوگوں کو نکتہ چینی اور جھیل خوری کی بڑی عادت ہے۔ یہ بیماری عام ہے پڑھے لکھے، جاہل، ان پڑھے، سب ہی اس مرض میں مبتلا ہیں۔ ان ہی پر صادق آتا ہے

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ (الہمزۃ - ۱) یعنی افسوس ہے نکتہ چینیوں اور جھیل خوروں کے لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک شہد کی مکھی کی خاصیت رکھنے والے اور دوسرے معمولی مکھی کی طبیعت والے۔ شہد کی مکھی پھولوں پر بیٹھتی ہے اور ان کا رس چوستی ہے جو شہد بن کر لوگوں کو شیریں دہن بناتا ہے۔ معمولی مکھی زخموں پر بیٹھتی ہے اور پیپ پٹی ہے۔ دوسروں کو ایذا دیتی ہے۔

صاحبو! زبان کا بدترین جرم جھوٹ ہے۔ جھوٹا ناقابل اعتماد، ناقابل اعتبار ہوتا ہے۔ اس کی بات کی وقعت ہے نہ عزت۔ سچ پوچھو تو اس کا جینا لعنت ہے۔ کم بولونچ بولو مگر آج کل جھوٹ بولنا، جھوٹی خبریں اڑانا، ہنز بول گیا ہے۔ اس زمانہ میں مغالطہ بازی کا بڑا زور ہے، پروگنڈے کا بڑا شور ہے۔ وہ بڑا استاد ہے جو جھوٹ کو سچ کر دکھائے، جھوٹ پر ایسی رنگ آمیزی کرے کہ کوئی حقیقت حال سے واقف ہی نہ ہو سکے۔ واقعات کا جرأت سے انکار کرو، اور جھوٹ پر تکرار کرو، اصرار کرو۔ تم جو چاہو گے کہو گے مگر تمہارے دل کے کونہ میں اور صالحیٹیا ضمیر پڑا ہوگا۔ وہ چپکے سے کہے گا لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلٰی الْكٰذِبِیْنَ (ال عمران - ۶۱) یعنی جھوٹوں پر خدا کی مار، اس کی پھینکار۔

صاحبو! بعض بد زبانوں کی عادت ہوتی ہے کہ سبب بلا سبب دوسروں کی برائیاں روئیں۔ مظلوم کو صرف اتنا حق ہے کہ عہدہ دار متعلقہ اور عالم مجاز کے سامنے دفع ظلم کے لئے شکایت کرے۔ جس قدر ظلم کیا گیا ہے اس کا کہنا تو البتہ جائز ہے مگر اس پر حاشیہ آرائی درست نہیں۔ گواہ اگر صحیح واقعات بیان کرے تو یہ عدالت کی بڑی مدد ہے اور وکالت گتہ موافق الشہادۃ (البقرۃ - ۲۸۲) شہادت کو نہ چھپاؤ پر عمل ہے۔ اور عہدہ داروں کی حق رنفا

میں عین اعانت ہے۔ لیکن بات کا بتکر بنا بنا، دل سے لگتے لگانا، چار کو دس بنانا مظلوم کو بھی نہ چاہئے۔ مظلوم صرف واقعی تکلیت کر سکتا ہے۔ رفق تکلیت کے لئے دوسرے بھی مدد دے سکتے ہیں۔ مظلوم ناجائز خلاف واقعہ تکلیت کر کے خود ظالم بن جاتا ہے۔ ظلم کرو نہ ظلم کئے جاؤ۔ یہ آیت ہماری رہنمائی ہے: **لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ** (البقرہ-۲۷۹)

صاحبو! بعض لوگوں کو غیبت کرنے کی بری عادت ہوتی ہے۔ ان کا کہنا ہوتا ہے کہ یہ بات ہم صحیح کہہ رہے ہیں اور ان کے منہ پر کہہ سکتے ہیں۔ ان کے پاس دل شکنی اور آزار رسانی عیب نہیں۔ دراصل یہ لوگ غیبت اور تہمت میں فرق نہیں کرتے۔ جھوٹ کہنا تو تہمت ہے اور سچ بات ہی بیٹھ چھے کہنا غیبت ہے۔ قرآن شریف میں ہے۔ **وَلَا تَقْتَبُوا بَعْضَكُمْ بَعْضًا أَيُّحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ** (النور) یعنی تم میں سے ایک شخص دوسرے کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے کو پسند کرے گا جس سے تم غالباً کراہت کرتے ہو۔ بس کسی کی غیبت کرنا اور یہ کہنا کہ میں ان کے منہ پر یہ بات کہہ سکتا ہوں میرے پاس عذر گناہ بدتراز گناہ ہے صاحبو! سیہ کار، بد رفتار اشخاص کے طرفداروں کے لئے خدائے تعالیٰ کیا فرماتا ہے؟ **وَلَا تَكُنِ لِلْخَائِبِينَ خَصِيمًا** (النساء-۱۰۵) یعنی خیانت کار اشخاص کے تم طرف دار نہ بنو ان کی طرف سے نہ لڑو۔ اور ایک جگہ ہے۔ **وَلَا تَلْبَسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ** (البقرہ-۴۲) یعنی جان بوجھ کر حق کو باطل کے ساتھ گڈنڈ نہ کرو، غلط ملط نہ کرو۔ اسے بیہرٹو! اسے وکیلو! گواہو! تم حق رسی میں، حق رسانی میں عدالت کی مدد کرو، اپنی چرب زبانی سے حق کو ناحق اور ناحق کو حق مت بناؤ۔ جھوٹی گواہی نہ دو۔ اسے لائیر (Lawyers) لائیرز (Lies) نہ بنو۔ اسے وکیلو! جھوٹ نہ کہو معین جرم مت بنو۔ حق کو اپنے پیش نظر رکھو۔ جھوٹ کو پاس نہ آنے دو۔ ظلم اور ظالم کی طرف داری سے بچو۔

صاحبو! ایک اور آفت، سراپا لعنت رشوت ہے۔

زربرسر فولاد نہیں نرم شود
(سونا فولاد پر رکھو تو فولاد نرم ہو جائے)

وہ قاضی الحاجات ہے۔ کافی الہیات ہے۔
اے زر تو خدا نئی ویس کن بخدا
ستارِ عیوب و قاضی الحاجاتی

(اے دولت تو خدا تو نہیں ہے لیکن خدا کی قسم عیبوں کو چھپانے والی اور ضرورتوں

کو پورا کرنے والی ہے)

دیکھو کسوٹی پر سونا آزمایا جاتا ہے اور زر ہر انسان کا امتحان ہے۔ بعض لوگ رشوت
لے کر اہل مقدمات کو دسے کر حق کو ناحق کر دیتے ہیں۔ کوئی اس کو منہ بھرائی کہتا ہے
اور کوئی مٹھائی، کوئی بالائی۔ چھوٹے سے لے کر بڑے تک اللہ ماشاء اللہ اسی

لعنت میں گرفتار ہے۔ اہل مقدمہ اس وقت تک کچھ نہیں دیتا جب تک کہ سرکاری
مال میں سے اس کو کچھ نہیں ملتا۔ کس کا نقصان کیا؟ سرکار کا، حکومت کا، بعض حضرات
خود تو معاملہ نہیں کرتے۔ گفتگو ہوتی ہے تو وکیل صاحب سے نصف لی و نصف لك
پر سودا ہو جاتا ہے۔ وکیل صاحب بڑے زعم سے کہتے ہیں کہ میں ایسی بخت کروں گا کہ کاغذ
کے پھول تمہارے دامن میں بھر جائیں گے۔ وکیل صاحب کی بڑی شہرت ہو جاتی ہے۔

لوگوں میں بڑی عزت ہوتی ہے۔ بعض حضرات کچھ نہیں لیتے، اہل مقدمات سے ضمانت
دلوادیتے ہیں جس کی ادائیگی قیامت کے دامن سے دامن باندھی ہوئی ہے۔ بعض حضرات
کہتے ہیں کہ ہم کسی کو مجبور نہیں کرتے۔ وہ خود تجھے تحائف دیتے ہیں تو ہم لے لیتے ہیں۔ کیونکہ
نہیں تو ان کی دل شکنی کا باعث ہوتا ہے۔ بعض لوگ راست باز ہوتے ہیں مگر سخت مزاج
تلخ گفتار۔ لوگ ان سے رشوت خواروں ہی کو پسند کرتے ہیں کہ کام جلد نکل جاتا ہے۔ بعض
لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی سے کچھ نہیں لیتے۔ راست باز اور نیک کردار ہوتے ہیں
مقدمات ختم ہو جاتے ہیں۔ تبادلہ بھی ہو جاتا ہے۔ دوسرے حاکم کو جائزہ مل جاتا ہے تو

عامۃ الناس ان کی نیک کرداری سے خوش ہو کر سپاس نامے دیتے ہیں۔ گلے میں پھولوں کے ہار ڈالتے ہیں۔ کچھ تحفے تحایف بھی ساتھ کر دیتے ہیں وَقَلِيلٌ مِنْهُمْ مگر میں ایسے کتنے؟ یہ لوگ صرف انگلیوں ہی پر گئے جاسکتے ہیں۔

صاحبو! امن شکن امور میں سے ایک شراب بھی ہے۔ اس کے متعلق میں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اس میں کا ایک حصہ یہ ہے۔ اوسے خوار تجھ پر خدا کی سنوار۔ دیکھ اس شیشہ میں لال پری ہے، فتنہ سے بھری ہے۔ خبردار! اس کے منہ سے ڈاٹ نہ نکال۔ وہ اڑے گی اور گلے پڑے گی، کلیجہ کھا جائے گی۔ نہ دین کار کھے گی نہ دنیا کا۔ پہلے ہنسی کی پھر آنسوؤں سے منہ دھلائے گی۔ پھٹائے گا اور اپنے حال پر افسوس کرے گا۔ مگر یہ سب کچھ کام نہ آئے گا۔ اس حال سے اس جہال سے نکلنا بہت مشکل ہے۔ اس کے لئے بڑی مہمت اور بڑے دل کی ضرورت ہے۔

صاحبو! آج کل شراب خواری کچھ ساتھ ساتھ قمار بازی کا جال بھی خوب پھیل گیا ہے برج کا کھیلنا عیب نہیں۔ عمدہ بازی اسی درخت کی ایک ڈالی ہے۔ گھوڑ دوڑ پر شرط باندھنا قمار بازی ہی کا ایک شعبہ ہے اور ایسے سب امور مفت خواری کے مختلف نام ہیں۔ تم کو معلوم ہے کہ پانڈے اور کورڈوں کا کیا حال ہوا ہے سب تباہ ہو گئے، برباد ہو گئے اور تاریخ میں صرف نام رہ گیا۔ اللہ اَخْبِرْ — فَاَعْتَبِرُوا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ (حشر-۲) اے بصیرت رکھنے والو عبرت حاصل کرو۔

صاحبو! اسلام کا ایک اور بنیادی اصول مساوات ہے۔

(۱۰) مساوات

مساوات | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (المحجرات-۱۳)

یعنی اور ہم نے تم میں قبیلے قبیلے اس واسطے بنا دیئے ہیں کہ ایک دوسرے کو پہچانیں

اور تم میں باہمی تعارف ہو۔ یقیناً تم میں کا بزرگ تر تو اللہ کے پاس وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ ایک جگہ فرماتا ہے خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ (الزمر - ۶) یعنی اللہ نے تم کو ایک ہی شخص (آدم) سے پیدا کیا۔ سب بنی آدم ہیں۔ ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اچھایہ ذات پات کا جھگڑا کرنے نکالا، قوتِ غضبی کا دیوتا کہنے لگا اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ یعنی میں اس سے بہتر ہوں خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ (الاعراف - ۱۲) یعنی تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے۔ جو لوگ اپنی ذات پات پر فخر کرتے ہیں وہ اسی کے شاگرد ہیں۔ تم تو مٹی کے بنے ہو، یہ جھوٹا فخر کیسا؟ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ (فاطر - ۱۱) یعنی تم کو مٹی سے پیدا کیا، بھی یاد ہے؟

صاحبو! ایک دفعہ ایک برہمن صاحب سے میری گفتگو ہوئی۔ میں نے پوچھا آپ برہمن ہیں۔ اپنی ذات کو واجب التعظیم سمجھتے ہیں۔ اچھایہ فرمائیے کہ آپ بہتر ہیں یا جناب رام چندر جی مہاراج اور کرشن جی مہاراج؟ انھوں نے کہا وہ اوتار تھے، اچھے کام کرتے تھے۔ میں نے ان سے عرض کیا پھر تو ذات ہی کو وجہ فضیلت سمجھنا درست نہ ہوا بلکہ فضیلت کا دار و مدار عملِ صالح پر ہوا۔

صاحبو! فطرتِ انسانی اور اس آیت پر غور کرو وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَأٰرًا (نوح) یعنی اللہ نے انسان کو مختلف طور، مختلف رنگ، مختلف حالات و صفات کا پیدا کیا۔ دیکھو ایچھوٹے تو ماں باپ کے زیر تربیت رہتے، استاد کے زیر تعلیم رہتے اور اپنے بزرگوں کی خدمت کرتے ہیں۔ یہیں معنی خادم اور ”شور“ کے۔ جب اور بڑا ہوتا ہے لین دین اور تجارت کرتا ہے۔ تو وہ تاجر یعنی ”دیش“ ہو جاتا ہے۔ اور جو امن قائم کرنے کے لئے ہتھیار باندھتا ہے وہ سپاہی اور ”چھتری“ ہو جاتا ہے۔ پھر جب اللہ کے واسطے اس کے بندوں کی ہدایت کرنے لگتا ہے، خود فضائل سے آراستہ رہتا ہے اور دوسروں کو بھی فضائل کی تعلیم دیتا ہے تو وہی پیشوا اور ”برہمن“ ہو جاتا ہے

عہ (دراضح ہو کہ یہ دونوں حضرات غیر برہمن تھے۔ اکیڈمی)

برہمن کون ہے؟ جو برہما کی معرفت رکھتا ہے۔

صاحبو! جو لوگ تاجر کے ہاتھ کے نیچے ماہوار لے کر کام کرتے ہیں وہ ویش نہیں وہ شودر اور خادم ہیں۔ جو لوگ ماہوار لے کر چھتری کے زیر حکم تھیاریا اٹھاتے ہیں وہ چھتری نہیں شودر اور خادم ہیں۔ اسی طرح جو ماہوار لے کر کسی عالم اور برہمن کے زیر حکم لوگوں کو پڑھاتے ہیں وہ بھی یقیناً شودر یعنی خادم ہیں۔ مگر اچھے خادم ہیں۔ دیکھو ایک آدمی اپنے اعمال کی وجہ سے شودر بھی ہوتا ہے، ویش بھی ہوتا ہے چھتری اور برہمن بھی۔ غور کرو وجہ فضیلت کیا ہے؟ علم و کمال ہے اور بس۔

میں سید ہوں، میں شیخ ہوں، میں برہمن ہوں، میں کیا کیا ہوں۔ تم بزرگوں سے نسبت رکھتے ہو اور تمہارے افعال ان بزرگوں کے لائق نہیں۔ تمہارے بزرگ بیشک اچھے تھے۔ نیک نام تھے۔ تم بھی تو اپنے اعمال سے نیک ہونے کو ثابت کرو۔ تم فخر مت کرو۔ تمہارے اعمال لائق فخر ہوں۔

دیکھو! حدیث شریف میں ہے **النَّاسُ كَأَسْنَانِ الْمَشْطِ** یعنی لوگ

کنگھی کے دندانوں کی طرح سب برابر ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں تو صف بندی میں بازو سے بازو لگائے کھڑے ہوتے ہیں۔ مگر امام وہی بنتا ہے جو سب سے زیادہ عالم ہو۔ حج کو جاتے ہیں۔ سب لوگ ایک ہی لباس، ایک ہی مہیت میں۔ **صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً (البقرة - 138)** رنگ میں رنگ خدا کا رنگ۔ مساوات خیر کثیر پر مشتمل ہے۔ اس کا مظاہرہ نماز اور حج سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَأَنْحَرِه (الکوثر)** یعنی اسے پیغمبر ہونے سے تم کو خیر کثیر عطا کیا (اسلام دیا، قرآن دیا، حق پرست بنایا پس اسی کے مظاہرے میں) تم نماز پڑھتے اور حج کرتے رہو۔ پھر جو اس عطیہ سے انکار کرتا ہے اس کے لئے ہے **إِنَّ مَثَلَ عِزِّكَ هُوَ الْآبَتُّور (الکوثر)** یعنی تمہارا مخالف ناکام ہوگا۔ اس کا نام لیوا ہوگا۔

باقی ندر ہے گا۔

بندگی باید پیمیر زادگی در کار نیست
 (بندگی چاہئے، پیمیر زادگی نہیں چاہئے۔ یعنی بغیر بندگی کے محض پیغمبر کی اولاد ہونا کچھ کام
 نہ آئے گا) خاک کے پتلے بنے ہو، خاکساری چاہئے۔ عجز و انکساری سے سرفرازی
 ہوتی ہے۔

صاحبو!

اسلام کا ایک اور بنیادی اصول حرکت میں برکت ہے۔

(۱۱) حرکت میں برکت

حکمت میں برکت | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَإِنْ كُنْتُمْ لَا تَسْلَمُونَ إِلَّا لِلنَّاسِ** (النجمہ ۳۰-۳۱)
سَعَىٰ ۝ وَإِنْ سَعَيْتُمْ سَوَّافْتُمْ يَوْمِي

یعنی انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور آدمی اپنی کوشش ہی کا نتیجہ
 دیکھتا ہے۔ اور ایک جگہ ارشاد ہے۔ **مَنْ عَمِلْ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ**
فَعَلَيْهَا (حَمَّ السَّجْدَةِ - ۲۶) جو نیک عمل کرے گا وہ اس کے نفس کے لئے سوؤند
 ہوگا اور جو برے کام کرے گا وہ اسی کو نقصان رساں ہوگا۔ غرض اچھا کرو گے تو
 فائدہ اٹھاؤ گے۔ برا کرو گے تو اس کا نقصان اٹھاؤ گے۔

صاحبو! ذرا غور کرو زندہ اور مردہ میں کیا فرق ہے؟ زندہ حرکت کرتا ہے اور
 مردہ حرکت نہیں کرتا۔ دیکھو حرکت میں برکت ہے۔ **الْبُرُكَةُ فِي الْحَرَكَةِ** اس میں
 عزت و حرمت ہے۔ بیڑھیاں چڑھتے ہیں تو کوٹھے پر بیٹھتے ہیں
 روڈناز نردباں بالائے بام آہستہ آہستہ
 بہ مطلب می رسد جو بٹے کام آہستہ آہستہ

(زینے چڑھتے ہوئے آہستہ آہستہ کوٹھے پر چڑھتے ہیں۔ مقصد کو پانے کی کوشش کرنے والا
 آہستہ آہستہ اپنا مطلب پالیتا ہے) (عہ ترجمہ از الکنڈی)

سند میں جو شخص غوط لگاتا ہے، غواصی کرتا ہے وہی موتیاں پاتا ہے۔

وَمَنْ طَلَبَ الْعُلَى سَهْلًا لِلْيَأَلَى

يَعْقُصُ الْجَحْرَ مَنْ طَلَبَ اللَّالَى

وَمَنْ طَلَبَ الْعُلَى مِنْ غَيْرِ كَدٍّ

أَضَاعَ الْعَمْرَ فِي طَلَبِ الْمَحَالِ

عزت حاصل کرنا چاہتے ہو تو راتوں کو جاگو۔ جو موتیاں حاصل کرنا چاہتا ہے وہ سمندر میں غوط لگاتا ہے۔ بے محنت کے عزت طلب کرنا محال کے لئے سرگرداں رہنا ہے۔ ماں باپ کا اندوختہ کب تک؟ فارون کا خزانہ بھی ہوگا تو ایک دن ختم ہو جائے گا۔ کب تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہو گے۔ کام کرنے والے کو انعام ملتا ہے۔ پیادہ چھ گھر چلتا ہے تو فرس ہو جاتا ہے۔ مرد بنو۔ کمرہمت باندھو۔ محنتی کے سامنے پہاڑ اپنی سر بلندی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ وہ ڈانٹا میٹ لگاتا ہے اور پہاڑ کے ٹکڑے ٹکڑے اُرادیتا ہے۔ پہاڑ کھودتا ہے اور اس میں سے راستہ بنا لیتا ہے۔

صاحبِ وقت آتا ہے تو کام ساتھ لاتا ہے۔ آج کا کام کل پر ڈالو گے تو کل کا کام کب نکالو گے؟ ماضی گیا، مستقبل ناقابلِ اعتماد، اب تمہارے ہاتھ میں حال کے سوا کیا ہے کام کرو یا کالج کرو پڑھو جو کرنا ہے آج کرو ماضی کو ردنا اور حال کو کھونا عقلمندوں کا کام نہیں ہے۔

جو وقت گیا وہ پھر نہ آیا پڑھو کیا نقد حیات کھو رہے ہو

زندگی کا وقت نامہ بناؤ۔ جتنا سوچنا ہے، ایک ہی وقت سوچ لو۔ ایک ہی بات کو بار بار سوچنا عمر کا ضائع کرنا ہے۔ زمانہ غیر قرار ہے اور اہل زمانہ اس کے ہم رفتار۔ کل تک تم رہو گے نہ کام کرنے کا موقع ملے گا۔ لیل و نہار کے سیاہ و سفید چوہے تمہاری عمر کی ڈالی کو کتر رہے ہیں۔ نیچے موت کا اژدہا منہ پھاڑے پڑا ہے کہ کب گرو گے اور کب اس کا نوالہ بنو گے۔ ابھی عہ غیر قرار یعنی جسے قرار نہیں۔ ایک حالت پر نہیں رہتا۔

وقت باقی ہے۔ کچھ کام کر ڈیکھ نام کرو۔ کام کرنے والے ہوائی جہاز پر اڑتے ہیں۔ سمندر والے کو پھلانگتے ہیں۔ تم ہو کہ سینا، شطرنج بازی، قمار بازی، شراب خواری اور دیگر وہی تباہی اشغال میں مبتلا ہو۔ کب تک سوؤ گے۔ خواب غفلت سے اٹھو اور کچھ کام کرو۔

اٹھو! اٹھو! یہ خواب غفلت کب تک

جاگو جاگو! اجل کمس میں گاہ میں ہے

آتی ہے ہر نفس سے صد گوش ہوش میں

کچھ کر لو غافل کو کہ میں ناپائیدار ہوں (حشر صدیقی)

نماز پڑھی، روزے رکھے، اچھے کام کے تو انشاء اللہ تمہاری آخرت درست ہوگی۔ تم دنیا میں ہو۔ دنیا کا بھی کچھ کام کرو۔ اس کا بھی تم پر حق ہے۔ اس کا حق ادا کرنا تم پر واجب ہے۔ یہ آخرت کی دوزخ سے تونج گئے۔ دنیا کے عذاب سے بھی نکلنے کی کوشش کرو۔ دل

دانا رکھنے والے کو ایک بات بھی کافی ہے۔ غافل ہزار ہا چیزیں دیکھتا ہے اور ان سے کچھ عبرت نہیں لیتا۔ اس کے پیش نظر فاتحینہ و زوایا و لی الا بصائر (المحشر - ۲) یعنی

اے بصیرت والو (ماضی اور دوسروں کے حالات سے) عبرت حاصل کرو، کبھی رہتا ہی نہیں دیکھو تم "توکل" کے غلط معنی سمجھے ہو۔ ع

بر توکل زانوئے استر میند

(اللہ کے بھروسہ پر ادنٹ کے پاؤں باندھ رکھو)

مقاصد کے ادنٹ کا پاؤں باندھ۔ ورنہ وہ بھاگ جائے گا اور کف انوس ملنا پڑے گا۔ تم

تقدیر کو کیا روتے ہو۔ اپنے آپ کو روؤ فلا تلو موئی و لو موؤا الفسکد (ابراہیم - ۲۲)

تقدیر میں تو تمہاری آرام طلبی بھی لکھی ہوئی ہے۔ خود برے کام کرو اور تقدیر پر الزام دھرو!

ان غلط فہمیوں سے توبہ کرو۔ میں پھر کہوں گا۔ کام کرو۔ بس کام کرو۔

صاحبو! اسلام کا ایک اور بنیادی اور اہم اصول خشیت اللہ ہے۔

عہ ترجمہ از الیڈی

خشیت اللہ (۱۲)

خشیت اللہ

ذرا غور کرو! دنیا میں کیا تمام لوگ ایک قسم کے ہیں؟ ہرگز نہیں! کوئی کالا ہے، کوئی گورا، کوئی بہادر ہے، کوئی بزدل، کوئی حریص ہے، کوئی قانع غرض کہ مختلف طبیعتیں ہیں۔ مختلف فطرتیں ہیں۔ انسان کی طبیعت الگ ہے اور اس کا نقطہ اعتدال الگ۔ شیر کی طبیعت جدا ہے اور اس کا نقطہ اعتدال بھی جدا۔ شیر کی حرارت اگر آدمی کو ہو تو وہ مر جائے گا۔ انسان کی کم حرارت اگر شیر کو ہو تو وہ زندہ نہ رہے گا۔ جب طبیعتیں مختلف ہیں تو ان کے آثار بھی مختلف ہوں گے۔ جس کی طبیعت میں شر ہے وہ ضرور شر دکھائے گا۔ مغلوب الغیظ اپنے دشمن کو قتل کر دے گا۔ مکار اپنی چالاکی سے سادہ لوحوں کو لوٹے گا۔ ہر ایک اپنا جوہر طبیعت دکھائے گا۔ پھر ظالموں کو ظلم سے روکنے کی کوئی صورت ہے سرکار نے عدالت کے لئے منصف مقرر کئے ہیں۔ ان سے اوپر ناظم۔ ناظم پر مشن جج و رکن عدالت العالیہ۔ ارکان پر مشتمل جلسہ متفقہ۔ جلسہ کاملہ اور سوپریم کورٹ، یعنی اعلیٰ عدالت سرشتہ مال میں پیشکار۔ پیشکار پر تحصیلدار۔ تحصیلدار پر ڈوم تعلقدار یا ڈوٹرن افسر۔ اس پر دل تعلقدار یا کلکٹر۔ اس پر صوبہ دار یا رکن مجلس مال۔ اس پر صدر الہیام۔ صدر الہیام پر مدار الہیام یا چیف منسٹر۔ آپ سمجھ رہے ہوں گے کہ اتنے عہدہ داروں کے رہتے ہوئے ظلم و نا انصافی کا دروازہ بند ہو گیا؟ ہرگز نہیں! اتنے عہدہ داروں کا ایک سے ایک بالادست ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا خطا کرنا ممکن ہے۔ سمجھایا جاتا ہے کہ چھوٹا عہدہ دار کم تجربہ و کم علم ہوتا ہے۔ بالادست حاکم ماتحت کے تجاویز آراء اور فیصلوں کی اصلاح کرتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ ان میں سے معصوم کون ہے؟ سب انسان ہیں جن میں خطا و نسیان ہے لوگ کیا ان عہدہ داروں سے ڈرتے ہیں؟ نہیں! ہرگز نہیں! عہدہ داروں کا کام فیصلے کرنا ہے۔ ڈرے تو ان کا جن کے ذریعے سے تسلیم احکام کی جاتی ہے۔ یعنی کو تو والی اور ہل جوج

کیا ان میں کوئی معصوم بھی ہے؟ نہیں! تمام عہدہ داروں کے ساتھ انصاف پڑا کہ ڈالنے والے بھی موجود ہیں۔ وہ کون؟ زخمی کبھی ہے عہ

سَيِّئَاتِ شَيْنَانَ لِلْأَسْلَامِ
الرَّشْوَةِ وَالشَّفَاعَةِ عِنْدَ الْحُكَّامِ

یعنی دو شین حق رسانی کے منہ پر کلنک کا ٹیکہ میں۔ رشوت اور حکام کے پاس شفاعت یعنی سفارش۔ تعصبات اور ناحق طرفداری مزید برآں ہیں حکام اور کوتوالی والے اس وقت بددکر سکے ہیں جب ان کو جرائم کی اطلاع ہو۔ جرم اس جگہ کیا جائے جہاں نہ کوئی گواہ ہو نہ دیکھنے والا ہو، تو عدالت و کوتوالی دونوں بیکار ہیں۔ پھر کیا یہ دونوں غیر ضروری ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں! اگر عدالت اور کوتوالی نہ ہوں تو انصاف اور حق کا خون ہو جائے اور اس کی نفی پر عالم ماتم کرے۔ پھر کیا چیز ہے جو ان تمام مظالم کا انسداد کر سکتی ہے؟ وہ صرف خوفِ خدا ہے۔ خشیۃ اللہ ہے۔ جو نافذاترں میں وہ بے لگام ہیں۔ جو جی چاہے کہتے ہیں۔ جو جی چاہے کرتے ہیں۔ اور جو چاہتے ہیں کھلتے ہیں، پیتے ہیں۔ منہ زور یا بے لگام گھوڑا جہاں چاہے گا، جائے گا۔ سوار منہ دیکھتا رہ جائے گا۔

صاحبو! خشیۃ اللہ جرائم کے لئے تریاقِ اعظم ہے۔ یہی وجہ تو ہے کہ قرآن شریف میں بار بار قیامت کا ذکر اور اس کی ہولناکی کا بیان ہے۔ ایک دن سب کو خدا کو منہ دکھانے اس کے دربار میں حاضر ہونا ہے۔ جو ابھی کرنا ہے۔ وہاں دودھ کا دودھ، پانی کا پانی ہوگا عقل سلیم کہتی ہے کہ ایک شخص تمام عمر ظلم و ستم کرے اور آخر تک خوش حالی میں بسر کرے دوسرا نیک صفات ہو، نیک اوقات ہو، تکلیف اور عسرت میں گزارے، صبر و شکر اس کا شیوہ ہو، رحم و کرم کا مابہ الاقبار ہو۔ کیا دونوں برابر ہیں؟ جو خدا پرست ہے وہ کہے گا کہ نہیں یہ دونوں برابر نہیں۔ برے کام کی سزا اگر یہاں نہیں ملی تو خدا کے پاس حسبِ تعاضلے انصاف ضرور مل کر رہے گی۔ اسی واسطے تو قیامت پر اور وہاں کی جو ابھی پر اللہ تعالیٰ لوگوں کو متوجہ فرماتا ہے۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ، (التکویر)

جب آفتاب کا نور اور اس کی کشش ختم ہو جائے گی اور اس کے منہ پر ظلمت کی چادر لپٹی جائے گی۔ ستاروں کی بھی باہمی کشش باقی نہ رہے گی۔ نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ ستارے تاریک اور مکر ہو جائیں گے۔ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ (التکویر) اور جب پہاڑ زلزلوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اڑتے پھرس گئے۔ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (التکویر) اور جب گاجھن اونٹنیوں کا کوئی پوچھنے والا نہ رہے گا۔

وَاِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ (التکویر) اور جب وحشی جانور سب ایک جگہ جمع ہو جائیں گے اور درندے چرندے سب پریشان ہو کر ایک دوسرے کے قریب جائیں گے شیر اور بکری ایک گھاٹ پر ہوں گے وَاِذَا الْخِصَابُ سُجِّرَتْ (التکویر) سمندر کا پانی تیل کی طرح منتقل ہو جائے گا وَاِذَا الْفُؤُوسُ سُئِوِيَتْ (التکویر) اور جب لوگوں کی ٹولیاں ٹولیاں ہو جائیں گی۔ پیغمبروں کے ساتھ ان کی امت ہوگی۔ مرشدوں کے ساتھ مرید استادوں کے ساتھ شاگرد۔ لیڈروں کے ساتھ ان کے فالوور۔ ماں باپ کے ساتھ ان کی اولاد۔ شوہر کے ساتھ بیویاں عِلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاٰخِرَتْ (الافطار۔ ۵) یعنی ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے پہلے کیا کیا اور بعد میں کیا کیا يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّبَكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ (الافطار) اے انسان سراپا انسان! تجھے رب کرم کے متعلق کس چیز نے دھوکہ دیا۔ دربار الہی میں تمہارے اعمال سے باز پرس ہوگی تم کچھ جواب نہ دے سکو گے۔ منتقم حقیقی نیکیوں کو اچھی حالت میں رکھے گا اور بُروں کو تکلیف و عذاب میں۔

دعا

اسلام کے بنیادی اصول میں سے ایک دعا بھی ہے جس کے متعلق میں گو نہ تفصیل سے بحث کرنا چاہتا ہوں کیوں کہ ہمارا دار و مدار خدا تعالیٰ

دعا

سے دعا کرنے پر ہے۔ دعا کیوں کی جاتی ہے؟ اس کے متعلق ذرا غور کرو۔ خدائے تعالیٰ کا وجود بالذات۔ ہمارا وجود بالعرض۔ خدا کا خاصہ استغنائے ذاتی یعنی کسی کا محتاج نہیں ہونا۔ وہ غنی الاغنیاء ہے۔ اس کو کسی کی ضرورت نہیں۔ ہمارا وجود بالعرض ہے۔ خدا کا عطیہ ہے۔ ہمارا خاصہ کیا ہے؟ احتیاج ذاتی۔ خدا کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں بَلْ يَدَاكَ مَبْسُوطَتَانِ (مائدہ - ۶۴) ایک ہاتھ سے دنیا دیتا ہے، ایک ہاتھ سے دین دیتا ہے۔ ہمارے دونوں ہاتھ خالی ہیں۔ سخی دانا دے گا تو مفلس کچھ لے گا۔
یہ یاد رکھو! ذاتیات ذات سے کبھی جدا نہیں ہوتے۔ نہ خدا سے استغنائے ذاتی جلے گا، نہ ہم سے احتیاج ذاتی۔

رباعی

تو میرا خدا ہے میں ہوں تیرا بندہ حاجت مجھ میں ہے اور ہے تجھ میں غنا
جب ہو صفتِ ذات کا اظہارِ حال میں مانگتا جاؤں اور تو دیتا جا
(حسرت صدیقی)

صاحبو! کسی کے پاس جاؤ تو ایسی چیز لے جاؤ جو اس کے پاس نہ ہو۔ خدا کے پاس کیا چیز نہیں ہے؟ سب کچھ ہے۔ وہ غنی الاغنیاء ہے۔ پھر اس کے پاس کیلے جاؤ؟ ایسی چیز جو اس کے پاس نہ ہو۔ وہ کیا ہے؟ عاجزی، مطلبی، ناداری۔ جس کا وجود ہی ذاتی نہ ہو اس کی کونسی چیز ذاتی ہوگی؟

دعا میں کیا ہوتا ہے؟ اپنی احتیاج ذاتی کا ظاہر کرنا اور اس کے استغنائے ذاتی کا نشانہ صاحبو! خدا بھی کچھ تم سے مانگتا ہے۔ خدا اور مانگتا! توبہ، توبہ! نہیں! جلدی نہ کرو۔ خدا تم سے مانگنے کو مانگتا ہے۔ وہ فرماتا ہے۔ اُدْعُونِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (مومن - ۶۰) تم مجھ سے مانگو میں تم کو دوں گا۔ تم دعا کرو میں قبول کروں گا۔ حدیث میں آیا ہے اَللّٰهُ عَامٌّ مِّنْ الْعِبَادَةِ دعا و مفر عبادت ہے۔ یہ کیوں کر؟ ابھی ہم نے

بیان کیا کہ دعا میں اظہارِ بندگی ہے۔ اظہارِ احتیاج ہے۔ بندگی ہی تو مغزِ عبادت ہے اور کیا ہے۔ خدا سچا اور اس کا قول سچا، اس کا وعدہ حق۔ پھر ہماری بعض دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں؟ ذرا سمجھو! جہیز کا قائم مقام اور اس کا بدل ہوتا ہے۔ خدائے تعالیٰ تو سب کی دعائیں قبول کرتا ہے۔ دعا کا قبول کرنا اس چیز کا فوراً دے دینا جو وہ مانگ رہا ہے ایک صورت ہے۔ کبھی قبولیت دعا، میں تاخیر ہوتی ہے۔ یہ بھی ایک صورت ہے۔ اور کبھی دوسری دنیا میں اس کا بدل دیتا ہے یہ بھی ایک صورت ہے۔ جو دعا نظامِ عالم اور انتظامِ دنیا کے مناسب ہوتی ہے وہ اسی دنیا میں دے دی جاتی ہے۔ جس دعا کا دینا اس دنیا سے مناسبت نہیں رکھتا اس دنیا میں اس کا بدل دیا جاتا ہے۔

صاحبو! چھوٹے دل کے انسان نے مانگا تو اپنے حوصلہ کے مطابق۔ چھوٹے دل کی خواہش بھی چھوٹی ذوالجلال والاکرام دے گا تو اپنے لائق دے گا۔ کل قیامت میں وہ لوگ جن کی دعائیں اس دنیا میں قبول ہوئیں ان لوگوں کے حالات پر رشک کریں گے جن کی دعائیں اس دنیا میں قبول نہیں ہوئیں۔ یاد رکھو ہمارے مانگنے سے خدا کا دینا بہت زیادہ ہے۔

صاحبو! مانگنے والے سے سب بیزار ہوتے ہیں۔ یہ اَجْوَدُ الْاَجْوَدِیْنَ (سب سخیوں کا سخی) کو دیکھو۔ وہ مانگنے سے خوش ہوتا ہے اور نہ مانگنے والے سے ناخوش اس کا دینا کبھی ختم نہ ہوگا۔ تمہارا مانگنا بھی کہیں ختم نہ ہو۔ مانگو! مانگو! دل کھول کر مانگو! مگر اخلاص سے مانگو! عاجزی سے مانگو۔ گزر گزرتے جاؤ اور مانگتے جاؤ۔

میں جو کچھ کہنا چاہتا تھا کہہ چکا۔ چونکہ کامیابی خدا کے ہاتھ ہے اس لئے بارگاہِ ذوالجلال والاکرام میں دعاء کے لئے دونوں ہاتھ پھیلاتا ہوں۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِينَا اَوْ اَخْطَاْنَا اے ہمارے رب! تو نے ہم کو یا لاپوسا، پروان چڑھایا۔ اب ہماری بھول چوک پر مواخذہ نہ کر، گرفت نہ فرما۔ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا اے ہمارے رب! جس طرح تو نے ہمارے بزرگوں پر امتحان کا بار

ڈالا تھا اور بلاؤں میں مبتلا کیا تھا وہ بار تو ہم پر نہ ڈال رہتا تھا اور نہ ڈال رہتا تھا اور نہ ڈال رہتا تھا۔
 طاقۃً لنا یہ، اے ہمارے رب! اور ہم پر اتنا بوجھ نہ ڈال جس کو ہم برداشت
 نہ کر سکیں۔ وَاعْفُ عَنَّا وَاعْفِرْ لَنَا وَأَسْرِ حَمْنًا اور ہماری خطاؤں کو مٹانے
 اپنے دامنِ رحمت و مغفرت میں چھپالے۔ ہم پر رحم فرما اے مولا! تو ہمارا مالک
 ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔ مگر ہم مسلمان ہیں۔ تیرے حبیب کے نام لیا ہیں فَاَنْصُرْنَا
 عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (البقرہ - ۲۸۶) تو ہم کو ہمارے دشمنوں پر غالب کر، فتح و
 نصرت دے۔ ان کے ہاتھوں ہم کو ذلیل مت کر۔

بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ
 وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ